# فہرست


| | | | |
|---|---|---|---|
| اداریہ | ابتدا تیرے نام سے | صائمہ اسما | 5 |
| قولِ نبیؐ | یومِ محبت منانے کی شرعی حیثیت | عمیرہ عنبرین | 7 |
| | قاضی حسین احمد بحیثیت رہنما | آسیہ راشد | 13 |
| | قائد اور کارکن | شاہدہ اکرام | 17 |
| | تبدیلی اور امید کا قائد | صائمہ اسما | 19 |
| | مقامِ عاشقی دیگر | قانتہ رابعہ | 24 |
| | عندلیبِ باغِ حجاز | ڈاکٹر بشریٰ تسنیم | 26 |
| | انقلاب کا استعارہ | افشاں نوید | 30 |
| | عالمی اسلامی تحریکوں کے ممتاز قائد | پروفیسر الیف الدین ترابی | 33 |
| | اس کی یادوں کا شجر روشن ہے | ڈاکٹر عزیزہ انجم | 36 |
| | خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی | غزالہ عزیز | 38 |
| | لفافہ کہاں بھیجوں؟ | فرحت طاہر | 40 |
| | کڑے سفر کا تھکا مسافر | ڈاکٹر پروین سیف | 43 |
| | تو گوہرِ یک دانہ تھا | عالیہ شمیم | 47 |
| | گرم دم جستجو | رخسانہ اقبال راؤ | 49 |
| | یتیمی کیسی ہوتی ہے! | اسریٰ غوری | 51 |
| | اتحادِ امت کے داعی | نوشابہ احسن | 53 |
| | وہ ایک رہ نوردِ شوق قافلہ بنا گیا | عصمت اسامہ حامدی | 55 |
| | کروڑوں دلوں میں بسنے والا! | فریدہ عظیم | 59 |
| | اپنی دنیا آپ پیدا کرنے والے | عمارہ آصف | 60 |
| | فوزِ عظیم | نصرت یوسف | 62 |
| | ہم اپنا عہد نبھا چکے | شہناز ماجد | 63 |
| | ان کی لحد پہ مولا تا حشر رحمتیں ہوں | لالہ رخ | 64 |
| | قاضی بابا......چمن ویران کر گئے | شہزاد اسلم مرزا | 65 |
| | کہتی ہے خلقِ خدا انساں بہت پیارا تھا وہ | احمد اسامہ طاہر | 67 |
| | قاضی حسین احمد......کچھ یادیں کچھ باتیں | میر بابر مشتاق | 69 |
| | فارغ تو نہ بیٹھے محشر میں جنوں میرا | انتخاب ص۔ا | 71 |

# ابتدا تیرے نام سے

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون!

قارئینِ محترم! غازی...... باغی...... قاضی حسین احمد رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ وہ شخص...... جس کے سینے میں ایک بہادر دل دھڑکتا تھا۔

جس کی آنکھوں میں وہ چمک تھی جو اپنی منزل کا گہرا شعور پا لینے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ جو زمان و مکاں سے ہٹ کر سوچنے اور کرنے پر قادر تھا۔

جس کے ہر انداز میں بلا کا یقین اور اعتماد تھا۔

جس کے لہجے میں وہ دلسوزی بھرا اصرار تھا جو صرف سیدھے راستے پر ہونے کا پختہ یقین ہی انسان کو عطا کر سکتا ہے۔

اور اسی یقینِ محکم کو اقبالؒ نے مردوں کی شمشیر کہا ہے۔ اقبال کے مردِ مومن کی سچی تصویر اس شخص میں نظر آتی تھی۔ آج جبکہ خالص مردانگی کے جوہر خال خال نظر آتے ہیں، وہ شخص اقبالؒ کے اس معیار پر پورا اترتا تھا۔

؎ چہ باید مرد را طبعِ بلندے، مشربِ نابے

دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بے تابے

ہر طبقۂ فکر، ہر حلقے اور ہر جماعت میں یکساں مقبولیت اور عزت پانے والے قاضی حسین احمد کے بارے میں ان کے مخالفین سمیت ہر شخص نے یہ اقرار کیا کہ وہ حقیقی معنوں میں ایک لیڈر تھے۔ ہر طرح کے خوف اور لالچ سے بے نیاز، منزل کی راہ میں ہر ایک کو ہانکنے، پکارے ساتھ لے کر چلنے والے، پارے کی طرح متحرک، جوئے کہستاں کی طرح راستے بنانے والے، کبھی نہ تھکنے والے......اور

؎ دیکھا ہے جو کچھ میں نے، اوروں کو بھی دکھلا دے۔

کی تڑپ سے بے قرار...... ایک طرف دنیا کے مختلف خطوں میں استعمار کے خلاف جہاد کرنے والوں کی بھرپور پشتیبانی کرنا اور دوسری طرف اتنی ہی جانفشانی سے وطنِ عزیز میں جمہوری راستے سے پرامن انقلاب کی

کوششوں میں مصروف رہنا، یہ مشکل توازن انہی کا خاصہ تھا۔ایسی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ہم پاکستانی خوش قسمت ہیں کہ ہمیں ایسا رہنما ملا اور بدقسمت ہیں کہ ہم نے ان کی قدر نہ جانی۔ان کی قدر و قیمت کو عالمِ اسلام اور اسلامی تحریکوں نے زیادہ پہچانا۔اسلامی دنیا کے کئی رہنما خصوصی طور پر پاکستان تشریف لائے اور ان کو مل کر یاد کیا۔لاہور میں ہونے والے اس تعزیتی ریفرنس میں تیونس سے راشد الغنوشی، اخوان المسلمون مصر سے مہدی عاکف، ترکی سعادت پارٹی کے رہنما، صدر سوڈان عمر البشیر کے نمائندہ اور ایران کے سفیر اس محبوب شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے موجود تھے، جبکہ مقبوضہ کشمیر سے سید علی گیلانی نے فون پر خطاب کیا اور جہادِ کشمیر کو زندگی اور توانائی دینے والے اپنے اس محسن کو بھیگے ہوئے لہجے میں یاد کیا۔حرمین شریفین بیت الحرام اور مسجد نبوی سمیت ان گنت مقامات پر غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

نیوز ویک اپنی کور سٹوری میں لکھتا ہے

''کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ قوم اس شخص کے ساتھ محبت پر متفق ہے جس کے ساتھ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ متفق ہوتی......اُن کی طرح ڈٹے رہنا اور ساتھ ہی رنگا رنگ نقطہ ہائے نظر کو بھی برداشت کرنا ایک بے حد کمیاب خوبی ہے۔''

ایک وقت تھا کہ لفافہ جرنلزم کے پروردہ صحافی ان پر جملے اچھالتے اور بڑے وقار اور صبر کے ساتھ جواب دیتے، جب نئے نئے امیرِ جماعت منتخب ہوئے تھے تو سرکاری چینل پی ٹی وی پر ایک تنخواہ دار صحافی نے کشمیر اور فلسطین کے مسائل پر ان کی گفتگو سن کر بڑے طنز سے کہا ''سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!'' اور انہوں نے تحمل اور اعتماد سے جواب دیا ''جی ہاں بالکل ہے اور کیوں نہ ہو، ہم ایک امت ہیں۔''

تو تمام عالمِ اسلام کا غم کھانے والا دل آج دھڑکنا بند ہو گیا!

ہر ملک، ہر خطے کے مسلمانوں سے محبت کے اٹوٹ رشتے میں بندھا ہوا یہ عجیب دل...... جسے مشرقِ بعید سے مشرقِ وسطیٰ تک، افریقہ سے یورپ تک اور نیو یارک سے ٹورانٹو تک......مسلمانوں پر آنے والی کسی آزمائش کی خبر سب سے پہلے ہو جاتی تھی اور وہ مداوا کرنے کے لیے بے چین ہو جاتا تھا......آج ان محبتوں کو سمیٹے منوں مٹی تلے جا سویا ہے۔

اللہ کی رحمت سے امید اور دعا ہے......جس ہستی کی خوشنودی کے لیے وہ سخت کوش، گرم جوش اور شعلہ بجاں رہے، اس کے دربار میں اپنے اس بندے کی بہترین میزبانی اور قدردانی ہوگی۔ان شاءاللہ۔

ایک ہنگامہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری نے بھی برپا کیے رکھا جو تبدیلی اور انقلاب کے نام پر میڈیا اور حکومت کی سرپرستی میں ایک خوبصورتی اور محنت سے سٹیج کیا ہوا ڈرامہ زیادہ محسوس ہوا۔ یقیناً عرب بہار کے اثرات پاکستان پر بھی مرتب ہوئے ہیں اور ان کے نتیجے میں ہمارے ہاں بھی بیداری کی ایک لہر ہے۔ ''ایسا ممکن ہے'' کا شعور آیا ہے اور ''اب وقت آ گیا ہے'' کے جذبے سر اٹھا رہے ہیں۔ بخارات بننے کے اس قدرتی عمل کو ایک مصنوعی انداز دے کر یہ غبارے میں سوئی چبھونے کی ایک کوشش کہی جاسکتی ہے۔ ساتھ ہی اسلام کے نام پر یہ لیڈرانہ شعبدہ بازی اور سیاسی دکان چمکانا پاکستان میں ''پولیٹکل'' اسلام کے علمبرداروں کے کام پر ضرب لگانے کی کوشش بھی محسوس ہوئی جن کو مغرب اپنے لیے حقیقی خطرہ سمجھتا ہے۔ الغرض ڈی چوک میں لوگوں کا ہجوم اکٹھا کر کے اور بلٹ پروف ہائی ٹیک کنٹینر میں بہادری کی بڑھکیں مار کر ایک تیر سے کئی شکار نشانے پر لیے گئے۔

کوئٹہ میں ہزارہ کی شیعہ کمیونٹی کا قتلِ عام انتہائی المناک سانحہ ہے، بلوچستان کی حکومت حکمرانی کا استحقاق کھو چکی ہے اور مرکزی حکومت حالات کے سدھار میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ طاہر القادری شو کے ذریعے بڑی کامیابی سے اس المناک واقعے سے توجہ ہٹانے کا کام بھی لیا گیا۔ بلوچستان بیرونی خفیہ ایجنسیوں کی دہشت گردی کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کے نام پر جو کچھ ہوتا ہے، نجانے اس کے پیچھے کون کون ہوتا ہے۔ مگر ہم اصل دشمن تک پہنچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ جانتے بھی ہیں تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

رینٹل پاور کیس کی تحقیقاتی ٹیم کے افسر کامران فیصل کی پراسرار موت کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہو پایا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ جو شخص جتنا بڑا مجرم ہے وہ اتنے ہی بڑے عہدے پر بیٹھا ہے یا یوں کہہ لیں کہ جو جتنے بڑے عہدے پر ہوتا ہے وہ اتنے ہی لمبے ہاتھ مارتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) خلقِ خدا کے احتساب سے بچ بھی گئے تو یہ مجرم خدا کے حساب سے کیسے بچیں گے!!

محترم قارئین! ربیع الاوّل کا بابرکت مہینہ اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس سال بھی ۱۲ ربیع الاوّل دنیا بھر کے مسلمانوں نے حضور ﷺ سے اپنی بھرپور محبت کا مختلف انداز سے اظہار کیا، لیکن آپ ؐ کی محبت کا حق جلسوں ،جلوسوں اور زبانی دعووں سے ادا نہیں ہوتا۔ اللہ کے نزدیک سچی محبت کرنیوالے وہ ہیں جن کی زندگی آپ ؐ کی اطاعت میں گزرتی ہے۔ (فَاتَّبِعُونِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰه )

کاش امت مسلمہ اس نکتے کو پالے۔

طالبِ دعا
صائمہ اسما

عمیرہ عنبرینؒ

# یوم محبت منانے کی شرعی حیثیت

ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی بالشت بر بالشت اور ہاتھ بر ہاتھ پیروی کرو گے، حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ان کی پیروی میں اس میں داخل ہو گے، ہم نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کیا یہودیوں اور عیسائیوں کی؟ تو رسول کریمؐ نے فرمایا اور کون؟ (صحیح بخاری۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ امام مسلم، کتاب العلم باب اتباع سنن الیہود والنصاریٰ)

نبی کریمؐ نے جو کچھ بتایا اس کا وقوع ہو چکا ہے اور ان آخری ایام میں مسلمان ممالک کے اندر یہ پھیل چکا ہے کہ بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی بہت ساری عادات اور سلوک اور ان کی علامات میں دشمنوں کی پیروی واتباع کرنے لگے ہیں اور انہوں نے ان کے دینی شعائر کی تقلید کرنا شروع کر دی ہے اور ان کے تہوار میں شرکت اور انہیں منانا شروع کر دیا ہے۔

ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے پھیل جانے سے اس میں اور بھی زیادہ برائی پیدا ہو گئی ہے کہ یہ ذرائع ابلاغ سب معاشروں میں کفار کی عادات کو بڑے تزک واحتشام سے نشر کرتے ہیں اور اسے اپنے ممالک سے فضائی چینلوں اور انٹرنیٹ کے ذریعہ اسلامی ممالک میں براہ راست موسیقی اور گندی تصاویر اور رقص وسرود کی محافل سمیت نقل کرتے ہیں جس کی بنا پر بہت سے مسلمان لوگ بھی اس کے دھوکہ میں آنا شروع ہو چکے ہیں۔

ان چند آخری برسوں میں ایک اور چیز بہت سے مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیوں کے مابین پھیل چکی ہے اور وہ ہے مغربی تہوار ویلنٹائن ڈے منانا۔

یوم محبت رومن بت پرستوں کے تہواروں میں سے ایک تہوار شمار کیا جاتا ہے جو کہ محبت کے الہ کے بارے میں رومن بت پرستی کی تعبیر ہے۔ جب کہ رومیوں کے ہاں بت پرستی سترہ صدیوں سے بھی زیادہ پر محیط ہے۔ اس بت پرستی کے تہوار کے بارے میں کئی قسم کے قصے رومیوں کے وارث عیسائیوں کے ہاں معروف ہیں۔ سینٹ ویلنٹائن نصرانی کنیسہ کا شخص تھا جو شہنشاہ کلاڈیس کی تعذیب کی تاب نہ لاتے ہوئے 296 میلادی میں ہلاک ہو گیا اور جس جگہ یہ ہلاک ہوا اسی جگہ 350 میلادی میں بطور یادگار ایک کنیسہ تیار کیا گیا۔ جب رومیوں نے عیسائیت قبول کی تو وہ اپنے اس سابقہ تہوار یوم محبت کو مناتے رہے لیکن انہوں نے اسے بت پرستی کے مفہوم سے نکال کر محبت الٰہی میں

تبدیل کرلیا دوسرے مفہوم محبت کے شہداء میں بدل لیا اور انہوں نے اسے اپنے گمان کے مطابق محبت وسلامتی کی دعوت دینے والے سینٹ ویلنٹائن کے نام کردیا جسے وہ اس راستے میں شہید گردانتے ہیں اور اسے عاشقوں کی عیداورتہوار کا نام بھی دیا جاتا ہےاور سینٹ ویلنٹائنکو عاشقوں کا سفارشی اور ان کا نگران شمارکرتے ہیں۔

ان کے باطل اعتقادات اوراس دن کی مشہوررسم یہ تھی کہ نوجوان اورشادی کی عمر میں پہنچنے والی لڑکیوں کے نام کاغذ کے ٹکڑے پرلکھ کرایک برتن میں ڈالے جاتے اور اسے میز پر رکھ دیا جاتا اورشادی کی رغبت رکھنے والے نوجوان لڑکوں کودعوت دی جاتی کہ وہ اس میں سےایک ایک پرچی نکالیں لہٰذا جس کا نام اس قرعہ میں نکل آتا وہ لڑکا اس لڑکی کی ایک برس تک خدمت کرتا اور وہ ایک دوسرے کے اخلاق کا تجربہ کرتے پھر بعد میں شادی کرلیتے یا پھرآئندہ برس اسی تہوار یوم محبت میں دوبارہ قرعہ نکالتے۔

نصرانیت کے عالموں نے اس رسم کو بہت برا اور نوجوان لڑکےلڑکیوں کے اخلاق خراب کرنے کا سبب قرار دیا لہٰذا اٹلی جہاں پر اسے بہت شہرت حاصل تھی ناجائز قرار دے دیا گیا۔ پھر بعد میں اٹھارہ اورانیسویں صدی میں دوبارہ زندہ کیا گیا، وہ اس طرح کہ کچھ یورپی ممالک میں کچھ بک ڈپوؤں پرایک کتاب (ویلنٹائن کی کتاب کے نام سے) کی فروخت شروع ہوئی جس میں عشق ومحبت کے اشعار ہیں، جسے عاشق قسم کے لوگ اپنی محبوبہ کوخطوط میں لکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس میں عشق ومحبت کے خطوط لکھنے کے بارے میں چند ایک تجاویز بھی درج ہیں۔

اس تہوار کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کتاب قصہ الحضارۃ میں ہے کہ: کنیسہ نے ایک ڈائری ترتیب دے رکھی ہے جس میں ہر دن ایک مقدس اور پاکباز شخص کا تہوار مقرر کیا ہے، اور انگلینڈ میں سینٹ ویلنٹائن کا تہوار موسم سرما کے آخر میں منایا جاتا تھا اور جب یہ دن آتا ہےتوان کے کہنے کے مطابق جنگلوں میں پرندے بڑی گرمجوشی کے ساتھ آپس میں شادیاں کرتے ہیں، اور نوجوان اپنی محبوبہ لڑکیوں کے گھروں کی دہلیزوں پر سرخ گلاب رکھتے ہیں اور پوپ نے ویلنٹائنکی یوم وفات چودہ فروری 270 میلادی کو یوم محبت قرار دے دیا۔

پوپ کون ہے؟ عیسائیوں کے سردار اور بڑے عالم جس کی بات حکم کا درجہ رکھے اسے عیسائی پوپ کا نام دیتے ہیں، دیکھیں اس پاپائے اعظم نے کس طرح ان کے دین میں اس تہوارکو پیدا کیا اورمنانے کا حکم دے دیا، کیا یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان یادنہیں دلاتا: ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عالموں اوردرویشوں کو رب بنالیا۔ (التوبہ۔31)

عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول ﷺ کے پاس آیا تو میری گردن میں صلیب لٹک

رہی تھی تو رسول کریمﷺ فرمانے لگے: اے عدیؓ اس بت کو اپنے آپ سے اتار دو۔

عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریمؐ کو سنا کہ آپ سورۃ التوبہ کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا۔''

عدیؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ اس کے لئے کسی چیز کو حلال کر دیتے تو وہ اسے حلال سمجھتے اور جب ان پر کوئی چیز حرام کر دیتے تو وہ اسے حرام کر لیتے تھے۔ اسے امام ترمذی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اوپر جو کچھ اس تہوار کے بارے میں قصے بیان ہوئے ہیں انہیں دیکھنے سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ یہ تہوار اصلا رومی بت پرستوں کا عقیدہ ہے جسے وہ محبت کے الہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی عبادت کرتے ہیں، لہٰذا جس نے بھی اس تہوار کو منایا وہ ایک شرکیہ تہوار منا رہا اور بتوں کی تعظیم کر رہا ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''یقین جانو جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔(المائدہ۔72)

۲۔ رومیوں کے ہاں اس تہوار کی ابتداء قصے کہانیوں اور خرافات پر مشتمل ہے جسے عقل ہی تسلیم نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھنے والے مسلمان کی عقل تسلیم کرے۔

۳۔ رومیوں کے ہاں اس تہوار کے بدصورت شعار میں کتے اور بکری کو ذبح کر کے کتے اور بکری کا خون دونو جوان لڑکوں پر لیپ اور پھر اسے دودھ کے ساتھ دھونا۔ یہ ایسا قصہ ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے اور اسے صحیح عقل قبول ہی نہیں کرتی۔

۴۔ اس تہوار سے بشپ ویلنٹائن کے مرتبط ہونے میں کئی ایک مصادر نے شک کا اظہار کیا ہے اور اسے وہ صحیح شمار نہیں کرتے، لہٰذا نصاریٰ کے لیے اولی اور بہتر یہی تھا کہ وہ اس بت پرستی کے تہوار کا انکار کرتے جسے بت پرست ہی مناتے ہیں تو پھر ہم مسلمان کیسے اسے تسلیم کریں اور ہمیں تو عیسائیوں اور ان سے پہلے بت پرستوں کی مخالفت کرنے کا حکم ہے اس کے باوجود سروے سے یہ بات ثابت ہے کہ کرسمس کے تہوار کے بعد یوم محبت دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ گویا یہ عیسائیوں کی تقلید بھی ہے۔

ہم مسلمان اس تہوار کو کیوں نہیں مناسکتے ؟!

**پہلی وجہ:**

دین اسلام میں عیدیں اور تہوار محدود اور ثابت شدہ ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں ''عیدیں اور تہوار شرع اور مناہج اور مناسک میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان

ہے: ہم نے ہر ایک کے لئے طریقہ اور شریعت مقرر کی ہے (القرآن)

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ہر قوم کے لئے ہم نے ایک طریقہ مقرر کیا ہے کہ جس پر وہ چلنے والے ہیں۔ (القرآن)

مثلاً قبلہ، نماز، روزے، لہٰذا ان کا عید اور باقی مناہج میں شریک ہونے میں کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ سارے تہوار میں موافقت کفر میں موافقت ہے اور اس کے بعض فروعات میں موافقت کفر کی بعض شاخوں میں موافقت ہے، بلکہ عیدیں اور تہوار ہی ایسی چیز ہیں جن سے شریعتوں کی تمیز ہوتی ہے اور پہچانی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان تہواروں میں موافقت کرنا کفر کے خاص طریقے اور شعار کی موافقت ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس میں موافقت کرنے سے پوری شروط کے ساتھ کفر پر جا کر ختم ہو سکتا ہے اور اس کی ابتداء میں کم از کم حالت یہ ہے کہ یہ معصیت و گناہ ہو گی اور اس کی جانب ہی نبیؐ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ کیا ہے: ''یقیناً ہر قوم کے لئے ایک عید اور تہوار ہے اور یہ ہماری عید ہے۔'' (صحیح بخاری حدیث نمبر 952 صحیح مسلم حدیث نمبر 892 الاقتضاء 11/471-472)

اور اس لیے کہ یوم محبت کا تعلق رومی دور سے ہے نہ کہ اسلامی دور سے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ عیسائیوں کی خصوصیات میں سے ہے نہ کہ مسلمانوں کے، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کا اس میں کوئی حصہ اور تعلق بھی نہیں ہے، تو جب ہر قوم کے لئے عید اور تہوار ہے جیسا کہ رسول کریمؐ نے بھی فرمایا (یقیناً ہر قوم کے لئے عید ہے) اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، تو نبی کریمؐ کا یہ فرمان ہر قوم کو اس کے خصوصی تہوار کے ساتھ واجب کرتا ہے، لہٰذا جب عیسائیوں کی علیحدہ اور خاص عید ہے اور یہودیوں کی خاص عید تو جس طرح مسلمان ان کی شریعت میں شریک نہیں اسی طرح ان کی عید اور تہوار میں بھی شریک نہیں ہو سکتے اور نہ یہ ان کے قبلہ میں۔

## دوسری وجہ:

یوم محبت کا تہوار منانے میں بت پرست رومیوں اور پھر اہل کتاب عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ انہوں نے اس میں رومیوں کی تقلید کی ہے اور یہ تہوار ان کے دین میں نہیں، اور جب دین اسلام میں عیسائیوں سے کسی ایسی چیز میں مشابہت سے ممانعت ہے جو ہمارے دین میں نہیں بلکہ ان عیسائیوں کے حقیقی دین میں ہے، تو پھر ایسی چیز جو انہوں نے ایجاد کر لی اور بت پرستی کی تقلید کرنے لگے اس میں مشابہت اختیار کرنا کیسا ہو گا!!

کفار چاہے وہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب ان سے عمومی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، چاہے وہ مشابہت ان کی عبادات میں ہو۔ یا پھر ان کی عادات ورسم ورواج میں، اس کی حرمت پر کتاب وسنت اور اجماع دلالت کرتا ہے۔

''جس نے بھی کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ

انہیں میں سے ہے۔(مسند احمد 2/ 50،سنن ابوداود حدیث 4012)

''اس حدیث کی کم از کم حالت ان سے مشابہت کرنے کی تحریم کا تقاضا کرتی ہے، اگرچہ حدیث کا ظاہر مشابہت اختیار کرنے والے کے کفر کا متقاضی ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: اور جو بھی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے یقیناً وہ انہی میں سے ہے۔(الاقتضاء 314/1)

ابن تیمیہؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ کفار سے ان کی عیدوں اور تہواروں میں مشابہت اختیار کرنے کی حرمت پر صحابہ کرامؓ کے وقت سے لے کر اجماع ہے، جیسا کہ ابن قیمؒ نے بھی اس پر علماء کرام کا اجماع نقل کیا ہے۔(الاقتضاء۔احکام اہل الذمہ)

اللہ تعالیٰ نے کفار کی تقلید کرنے سے منع فرمایا ہے اور تقلید کرنے والے پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور بہت ساری آیات میں کئی ایک مواقع پر اور مختلف اسلوب میں اس سے بچنے کا کہا ہے اور خاص کر کفار کی تقلید سے تو منع کیا ہے، کبھی ان کی پیروی واتباع اور اطاعت سے روک کر اور کبھی ان سے ڈرا کر اور کبھی ان کے مکروفریب سے دھوکہ نہ کھانے کا کہہ کر اور ان کی آراء اور خیالات کے پیچھے نہ چلنے کا کہہ کر اور کبھی یہ کہا کہ ان کے اعمال اور اخلاق اور سلوک سے متاثر نہ ہوں۔

اور اسی طرح تقلید سے رکنا تو شریعت کے مقاصد میں شامل ہے، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول کریمﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لئے مبعوث فرمایا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کردے اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے شریعت کو مکمل کردیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا ہے اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا ہوں(المائدہ۔3)

تقلید مسلمان کی شخصیت میں خلل کا باعث بنتی ہے، شعور میں نقص اور کمزوری اور چھوٹا پن، شکست خوردہ ذہن پیدا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے منہج طریقے اور اس کی شریعت سے کنارہ کشی ہے، تجربات نے یہ ثابت کیا ہے کہ کفار سے دوستی لگانا اور انہیں پسند کرنا اور ان کی تقلید کرنا ان سے اور ان کی ثقافت وتہذیب سے محبت، اور ان پر مطلقاً بھروسہ اور ان کے ساتھ دوستی اور اسلام اور اہل اسلام سے ناپسندیدگی اور دین اسلام اور اس کی ثقافت اور قدروقیمت اور اس سے جہالت ان سب کا سبب بنتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:''مسلمانوں کے لئے حلال نہیں کہ وہ کفار سے ان کے خصوصی تہواروں میں ان کی لباس، کھانے پینے اور غسل کرنے اور آگ جلانے اور اپنی کوئی عادت اور کام وغیرہ اور عبادت سے چھٹی کرنے میں ان کفار کی مشابہت کریں۔ مجمل طور پر یہ کہ: ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کفار کے کسی خاص تہوار کو ان کے کسی شعار کے ساتھ خصوصیت دیں، بلکہ ان کے تہوار کا دن

مسلمانوں کے ہاں باقی سارے عام دنوں جیسا ہی ہونا چاہیے۔(مجموع الفتاوی)

**تیسری وجہ:**

جب سے یہ تہوار عیسائیوں نے شروع کیا اس میں مقصود زوجیت کے دائرے سے باہر رہتے ہوئے عشق اور دل کو عذاب میں ڈالنے والی محبت مراد ہے، جس کے نتیجہ میں زنا اور فحاشی پھیلے اور عام ہو اور اسی لئے کئی اوقات میں نصاریٰ کے دینی لوگوں نے اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے اس کے خلاف کام کیا اور اسے باطل قرار دیا اور اسے ختم کیا لیکن پھر دوبارہ اسے زندہ کر دیا گیا۔

اسے منانے والے بھی اکثر نوجوان ہوتے ہیں کیونکہ اس میں ان کی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہوئے زنا وغیرہ میں پڑتے ہیں جو کہ صرف اور صرف عیسائیوں سے مشابہت کے طریقہ سے ہوتا ہے، اور یہ ان کی عبادات میں سے ہے جس کے بارے میں خدشہ ہے کہ اس میں ان کی مشابہت کرنا کفر ہوسکتا ہے۔

اس دن کے ظاہری نام اور اس کے پیچھے جو کچھ ان کا حقیقی مقصد ہے اور جو وہ چاہتے ہیں اس میں خلط ملط کرنا غلط ہے۔ لہٰذا اس دن میں جو محبت مقصود ہے وہ عشق معشوقی اور جنونی محبت اور چوری چھپے لڑکے لڑکیوں کا آپس میں ایک دوسرے سے دوستی کرنا ہے اور اس دن کے بارے میں معروف ہے کہ یہ تہوار اوباشی اور فحاشی اور بلا قیود یا حدود جنسی تعلقات کا تہوار ہے۔

وہ لوگ خاوند اور بیوی کے مابین پاکیزہ، شفاف، شرعی محبت اور چوری چھپے دوستیاں لگانے والوں کی حرام محبت کے مابین کسی قسم کا کوئی فرق نہیں کرتے، لہٰذا یہ تہوار ان کے ہاں ہر قسم کی محبت کے اظہار کا واحد وسیلہ ہے۔

**چوتھی وجہ:**

کوئی ایسا دین نہیں جو اپنے پیروکاروں کو اس طرح آپس میں محبت و بھائی چارہ قائم کرنے پر ابھارتا ہو جس طرح دین اسلام ابھارتا ہے کہ آپس میں محبت و بھائی چارے اور الفت قائم کی جائے اور دین اسلام میں یہ ہر وقت اور ہر لحظہ میں ہے نہ کہ کسی ایک معین دن میں جیسا کہ رسول کریمؐ نے بھی فرمایا ہے: جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بتائے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں (سنن ابوداؤد حدیث 5124۔ سنن ترمذی حدیث 2329 یہ حدیث صحیح ہے)

اور ایک دوسری حدیث میں فرمان نبویؐ ہے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں اس چیز کا نہ بتاؤں جب تم اس پر عمل کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ (صحیح مسلم 54)

بے شک اسلام میں محبت کا تصور تو آدمی اور عورت کے مابین محبت پر ہی منحصر نہیں اس کے بجائے یہ عام ہے۔ زیادہ بہتر ہے وہ اس طرح کہ دین اسلام میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، اور رسول کریمؐ سے محبت کرنا اور صحابہؓ سے محبت کرنا اور خیر و بھلائی کے کام کرنے والے لوگوں سے محبت کرنا، اور اصلاح اور دین سے محبت کرنے والوں اور دین کی مدد کرنے والوں سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت پانے سے محبت کرنا، اور اسی طرح بہت ساری اور بھی محبتیں ہیں جو اسلام ہمیں بتلاتا ہے۔ محبت کے اس وسیع معنی کو صرف محبت کی اس نوع اور قسم میں ہی محدود کر دیا جانا بدقسمتی ہے۔ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے۔ قاہرہ یونیورسٹی نے محبت کی شادی اور تقلیدی (arrange) شادی کے بارے میں جو ریسرچ کی ہے اس سے ثابت ہوا ہے کہ وہ شادی جو محبت کی شادی یا محبت ہونے کے بعد شادی کی جاتی ہے اس میں اٹھاسی فیصد شادیاں ناکامی کا شکار ہوتی ہیں یعنی اس میں کامیابی کا تناسب صرف بارہ فیصد سے زیادہ نہیں اور تقلیدی شادی یعنی جو رواج کے مطابق ہوتی ہے اس میں کامیابی کا تناسب ستر فیصد ہے۔ (رسالۃ الی مؤمنۃ صفحہ نمبر 255)

اور جب ہم یورپی معاشرے کے حالات دیکھتے ہیں جو یوم محبت بھی مناتے ہیں اور اس کی ترویج کا بھی اہتمام کرتے ہیں تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ان کے ہاں اس تہوار کو منانے سے ان کی ازدواجی معاملات میں تیزی کا میلان پیدا ہوا ہے؟

ان کے سروے اور ریسرچ میں مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

ا۔ امریکی ریسرچ کے مطابق 79% مرد عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں، اور خاص کر جب وہ شادی شدہ ہوں (جریدۃ القبس)

۲۔ نفسیاتی صحت کے امریکی ادارے کے سروے میں ہے کہ 17% عورتیں ایسی تھیں جو ابتدائی طبی امداد لینے آئیں جنہیں ان کے خاوندوں یا پھر مرد دوستوں نے زدوکوب کیا تھا۔ 83% عورتیں ایسی تھیں جو کم از کم ایک بار پہلے ہسپتال میں زخموں کا علاج معالجہ کروانے کے لئے داخل ہوئیں وہ زدوکوب کیے جانے کے نتیجہ میں داخل ہوئیں۔ اس ریسرچ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بہت ساری عورتیں ایسی ہیں جو اپنے زخموں کا علاج کروانے ہسپتالوں میں نہیں جاتیں، بلکہ اپنے گھروں میں ہی مرہم پٹی کر لیتی ہیں۔

۳۔ امریکی تحقیقی کمیٹی FPT کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ایسی بیوی بھی موجود ہے جسے اس کے خاوند ہر اٹھارہ سیکنڈ میں زدوکوب کرتا ہے

۴۔ امریکی ٹائم میگزین نے نشر کیا ہے کہ چھ ملین زدوکوب کی جانے والی بیویوں میں سے چار ہزار ایسی ہیں جو زدوکوب کیے جانے کے نتیجہ میں ہلاک ہوچکی ہیں۔

۵۔جرمنی کے سروے کے مطابق کم ازکم ایک لاکھ عورتیں ایسی ہیں جو سالانہ جسمانی یا نفسیاتی زیادتی کا شکار ہوتی ہیں جو ان کے خاوند یا پھر ان کے ساتھ رہنے والے مرد کرتے ہیں لیکن احتمال یہ ہے یہ ہے کہ یہ تعداد بڑھ کر ایک ملین تک پہنچ سکتی ہے۔

۶۔فرانس میں تقریباً دوملین عورتیں مار پیٹ کا شکار ہوتی ہیں۔

۷۔اور برطانیہ میں ایک سروے کے مطابق جس میں سات ہزار عورتیں شریک ہوئیں، 48% عورتوں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے خاوندوں اور دوستوں کی مار پیٹ کا شکار ہوتی ہیں۔

توان نتائج کے بعد ہم یہ کس طرح مانیں اور تصدیق کریں کہ محبت کا تہوار خاوند بیوی کے لئے فائدہ مند ہے؟؟؟ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تہوار تو مزید فسق و فجور اور حرام تعلقات اور ذلت کی دعوت دیتا ہے۔ اور اپنے زوج بیوی یا شوہر سے سچی اور حقیقی محبت کرنے والے زوج کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ اسے اس تہوار کے ذریعے محبت کی یاد دلائی جائے۔

یوم محبت پر کاروبار:

مسلمانوں میں سے جو بھی اس تہوار کو مناتا ہے اس کی معاونت نہ کی جائے بلکہ اسے اس سے روکا جائے کیونکہ مسلمانوں کا کفار کے تہوار منانا ایک منکر اور برائی ہے جسے روکنا واجب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ''جس طرح ہم ان کے تہواروں میں کفار کی مشابہت نہیں کرتے، تو اس طرح مسلمان کی اس سلسلے میں مدد و اعانت بھی نہیں کی جائے گی بلکہ اسے اس سے روکا جائے گا۔''

شیخ الاسلام کے فیصلہ کی بنا پر مسلمان تاجروں کے لئے جائز نہیں کہ وہ یوم محبت کے تحفہ تحائف کی تجارت کریں چاہے وہ کوئی معین قسم کا لباس ہو یا سرخ گلاب کے پھول وغیرہ، اور اسی طرح اگر کسی شخص کو یوم محبت میں کوئی تحفہ دیا جائے اس تحفہ کو قبول کرنا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ اسے قبول کرنے میں اس تہوار کا اقرار اور اسے صحیح تسلیم کرنا ہوگا۔

یوم محبت بہت سے اسلامی اور عرب ممالک میں بھی منتقل ہو چکا ہے، بلکہ اسلام کے مولد (جزیرہ عربیہ) میں بھی پہنچ چکا ہے اور ایسے معاشروں میں اس کی جڑیں پہنچ چکی ہیں جن کے بارے میں ہم خیال کرتے تھے کہ وہ اس گند اور خرابی سے دور ہیں، حتیٰ کہ اس دن سرخ گلاب کے پھول کی قیمت جنونی حد تک بڑھ جاتی ہے اور ایک پھول کی قیمت دس ڈالر تک جا پہنچتی ہے حالانکہ اس کی قیمت کبھی بھی 1.4 ڈالر سے زیادہ نہیں ہوئی تھی اور تحفے تحائف اور کارڈوں کی دکانیں اس موقع پر کمپٹیشن یعنی باہم مقابلہ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کارڈوں کو اس مناسبت سے بہتر چھاپنے کی کوشش کرتے ہیں، اور بعض خاندان اور گھروں والے تو اس دن اپنے گھروں کی کھڑکیوں میں سرخ گلاب لٹکاتے

ہیں۔اور بعض خلیجی مما لک میں تو بہت سے تجارتی مراکز اور کمیٹیاں اور ہوٹل یوم محبت کے موقع پر خاص محفلیں سجاتے ہیں اور اکثر دکانیں اور تجارتی مراکز تو سرخ لباس میں ڈوبے ہوتے ہیں اور ایک اعلیٰ فائیو سٹار خلیجی ہوٹل میں تو سرخ غبارے اور کھیل اور گڑیاں پھیل چکی ہیں اور وہ یوم محبت کی عادات کے مطابق چلنا شروع ہو چکا ہے اور اس ہوٹل میں بت پرستی کے قصے کیوپڈ جیسے رومی قصوں میں محبت کا بت مانا جاتا ہے کا ڈرامہ بنایا جاتا ہے جو تقریباً بے لباس اور اس کے ہاتھ میں تیر کمان پکڑا ہوا ہے اور اس ڈرامے میں فنکار حاضر ہونے والے لوگوں میں سے اس وصف کے (مسز ویلنٹائن اور مسٹر ویلنٹائن) کو چنتا ہے۔

کویت میں یوم محبت کی سب سے عجیب چیز یہ تھی کہ دکانداروں نے فرانسیسی زندہ خرگوش منگوائے جو بالکل چھوٹے اور سرخ آنکھوں والے ہوتے ہیں اور ان کے گلے میں پٹا ڈال کر ایک چھوٹے سے ڈبہ میں رکھے تاکہ یہ بطور ھدیہ پیش کیے جاسکیں! لہٰذا اس کے خلاف ہر قسم کے وسائل استعمال کرتے ہوئے آواز اٹھانا اور روکنا واجب ہے اور اس کی مسؤلیت سب کے کندھوں پر ہے کسی ایک پر نہیں۔

☆☆☆

ام راشد
تحریر: آسیہ راشد

# قاضی حسین احمد بحیثیت رہنما

(محترمہ ام راشد صاحبہ قاضی حسین احمد کی زندگی کے چند پرت کھولتی ہیں)

ملت اسلامیہ کے عظیم لیڈر سابق امیر جماعت اسلامی ملی یکجہتی کونسل کے سربراہ، عوام الناس کے ہمدرد اہل خانہ کے خیر خواہ قاضی حسین احمد اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اِنّا للہ وَاِنّا اِلیہِ راجعون۔

قاضی صاحب نے جب جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی تب سے مجھے قاضی صاحب کی تحریکی زندگی میں ان کے ساتھ کام کرنے کے بہت سے مواقع ملے اور تبھی سے اس باکردار مجاہد کی زندگی کے بہت سے پہلو میرے سامنے اجاگر ہوئے اور میں ان کی شرافت، دیانت، انکسار، اخلاص اور جہد مسلسل کی گواہ ہوں۔

1980ء میں وہ جماعت اسلامی پاکستان کے جنرل سیکرٹری تھے انہی دنوں منصورہ میں قائم ادارہ المحصات کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تو ہم نے انہیں اپنی کمیٹی میں شامل کیا چند اور لوگ بھی اس کمیٹی کے رکن تھے جن میں میاں طفیل محمد اور عبدالسلام صاحب بھی تھے۔ میں ان دنوں لاہور کی ناظمہ تھی۔ 1981ء میں اس ادارے کی تعمیر کا آغاز آپا نیر بانو (مرحومہ) کی زیر نگرانی کیا گیا تھا۔ میں چونکہ عمر میں ان سے چند سال بڑی تھی اس لیے وہ مجھے حد درجہ عزت و احترام دیتے اور میری رائے کو اہمیت دیتے۔

تحریکی زندگی کے دوران میں نے انہیں جذبے ولولے سے بھرپور انتھک محنت کرنے والا انسان پایا۔ جدوجہد ان کی حیات کا حصہ تھی انکساری اور خدمت خلق ان کی فطرت میں شامل تھی۔ ان کی ذاتی زندگی سادگی کا مرقع تھی انہوں نے کوئی بڑے محل یا پلازے نہیں بنائے 1980ء سے لے کر اب تک میں انہیں اسی چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔

انہوں نے جماعت اسلامی کو اس کی بنیادی اساس پر ہمیشہ قائم رکھا۔ وہ معمولی سے معمولی ورکر کی بھی بہت قدر کرتے تھے یہی جماعت اسلامی کا ہمیشہ سے کردار رہا ہے۔ وہ شروع سے ہی مولانا مودودی سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے مولانا کی بہت سی عادتیں اپنائیں ان کی عادات و اطوار میں مولانا کی بہت جھلک پائی جاتی تھی۔

وہ حسن اخلاق کا پیکر تھے ورکر کو اہمیت دینا اسے اس کی حیثیت میں رکھ کر اپنے ساتھ لے کر چلنا یہ نہیں کہ ورکر کو ناظم بنا دیں ہر کسی سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لینا ان کا خاصہ تھا۔ اگر ہم گہرائی میں جا کر ان کی شخصیت کو پرکھیں تو ہمیں معلوم ہو گا وہ فرد شناس بھی

تھے۔ وہ زمین پر بیٹھنے والے شخص کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر بات کرتے چھوٹے سے چھوٹے طبقے کو اہمیت دینا ان کی خاص خوبیوں میں سے تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گھاس پر ان کے ساتھ بیٹھے ہیں بات چیت ہو رہی ہے ان کے مسائل سن رہے ہیں اور پھر ان کی مدد بھی کی جاتی۔

ان کی ذات کا یہ پہلو اندرون جماعت ورکرز کے ساتھ تھا مگر بیرونِ جماعت لوگوں کو بھی عوام کی طرح ملتے اور ہر شخص کی خوبیوں کی نشاندہی کرتے۔ مخالفین کے بارے میں ان کا یہ جملہ میں کبھی بھی نہیں بھول سکتی جو انہوں نے کہا کہ مخالفت سے ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ ملتا ہے اگر ہم ان کے ساتھ نہ بیٹھیں تو ہمیں رہنمائی نہیں ملتی۔ اپنی منزل پر پہنچنے کیلئے مسلسل جدوجہد سے کام لینا چاہیے۔

میں نے ان کے بارے میں جو اخذ کیا ہو سکتا ہے ہر اخذ کرنے والے نے اسی طرح دیکھا ہوگا کہ پیار محبت اور چاہت سے اپنے مشن کی برآوری میں مدد لیتے تھے۔ ہر کام ہمیشہ وقت پر کرتے کسی طرح بھی اپنے وقت میں کمی بیشی نہ کرتے۔

میرا اکثر ان کے گھر جانا ہوتا۔ بیوی بیٹیوں کی زبان سے میں نے کبھی ان کے بارے میں کوئی شکوہ شکایت نہیں سنی۔ جماعت کے اندر اور باہر ہمسائیگی میں اور عام لوگوں میں مقبول ترین شخصیت تھے۔ ان کے اندر یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی کہ انہوں نے مخالف لوگوں کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ مخالفین کی خوبیوں کو دیکھتے اور انہیں اپنانے میں قباحت محسوس نہ کرتے۔ ان کی اچھائیوں کو سراہتے، کہتے اگر یہ سچے راستے پر ہوتا تو ہمارا ساتھی ہوتا۔ ان کے انہی خواص کی بنا پر ہر ملنے والا یہ سمجھتا تھا کہ وہ سب سے زیادہ مجھی سے محبت کرتے ہیں۔

یادوں کا لامتناہی سلسلہ ہے جن میں ذاتی بھی اور جماعتی یادیں سبھی میرے ذہن کے گوشوں میں موجود ہیں ایک بہت اہم واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے۔

1988ء کا سیلاب تھا یوں لگتا تھا جیسے سیلاب پوری دنیا کو بہالے جا رہا ہے۔ پاکستان کے دیہاتی علاقے سب سے زیادہ متاثر تھے۔ سیلاب زدگان کھلے آسمان تلے میدانوں میں بیٹھے تھے۔ جماعت اسلامی کا شعبہ خدمت خلق سرگرم عمل تھا۔ امدادی سامان کے کئی ٹرک تیار کھڑے تھے جن میں برتن، کپڑے، بستر، کھانے پینے کی اشیاء تھیں۔ اس کے علاوہ امدادی رقوم بھی کافی جمع ہو چکی تھیں تقریباً 80 لاکھ کے قریب نقد رقم جمع تھی ہم نے لوگوں کیلئے سو روپے کے نوٹوں کی دس دس ہزار روپے کی گڈیاں بنالی تھیں۔ تمام سامان اور رقوم بانٹنے کیلئے شعبہ خواتین کو ذمہ دار بنایا گیا اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ لاہور کی چار ناظمات کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ خود جا کر دورہ کریں اور سامان اور رقوم بانٹیں۔ ٹرک پر مرد حضرات تھے گاڑیوں میں خواتین کے ساتھ کسی نہ کسی خاتون کا محرم مرد بھی موجود تھا جب ہم لوگ نارنگ منڈی کے علاقے میں امدادی سامان بانٹنے گئے تو

معلوم ہوا وہاں بہت تباہی ہوئی ہے پورا علاقہ سیلاب کے پانی میں ڈوب چکا ہے۔ وہاں کے امیر جماعت نے ہمیں کہا 15، 16 ٹرکوں کا سامان ہمارے گھر اتار دیں۔ ہم تو سامان بانٹنے آئے تھے خود سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے ہم نے مرکز سے اجازت لینا ضروری سمجھا اور کہیں سے میں نے قاضی صاحب کو فون کیا کہ آپ کی اجازت کے بغیر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ قاضی صاحب نے مجھے فون پر کہا کہ آپ کی نیت کیا تھی تقسیم کی تھی یا دورے کی تھی؟ میں نے کہا دورے کے ساتھ تقسیم کرنا بھی تھا اور شام تک کام ختم کر کے گھر بھی واپس آنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اپنا کام پورا کر کے واپس آئیں۔ ان کے حکم پر میں اور میری ساتھی ناظمات آگے بڑھ گئیں جگہ جگہ سامان تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ امیر جماعت کو علم نہیں تھا کہ میر ا قاضی صاحب سے رابطہ ہے انہوں نے ہمارے تحفظ کے پیشِ نظر ہمیں آگے جانے سے روکنے کی کوشش کی کہ آگے سانپ بھیہیں اور اتنی بڑی رقم لے کر جائینگی تو چوری ڈاکے کا خدشہ ہے مگر ہم جس ارادے سے آئے تھے اسے پورا کر کے ہی واپس آئے۔ وہاں سانپ تو ضرور تھے مگر انہوں نے ہمیں کچھ نہ کہا اور نہ ہی ڈاکو چوروں سے سابقہ پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے پوری طرح ہماری حفاظت فرمائی۔

اگلے روز شوریٰ کے اراکین امیر جماعت کے پاس شکایت لے کر بیٹھے تھے۔ قاضی صاحب بھی موجود تھے قاضی صاحب نے صبح صبح مجھے بلا بھیجا۔ میرے ساتھ بنت مجتبیٰ اور بیگم عامر بھی تھیں شوریٰ کے اجلاس میں آٹھ مرد بھی موجود تھے۔ ہم تینوں برقعے میں تھیں۔ انہوں نے کہا آپ کے خلاف شکایت آئی ہے کہ آپ نے اطاعت امیر نہیں کی آپ سے کہا گیا کہ ٹرکوں کا سامان اتار دیں مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ ہم ابھی خاموش ہی تھے کہ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ سامان مرکزی تنظیم کے تحت گیا تھا اور یہ خواتین بھی مرکز کی طرف سے بھیجی گئی تھیں اس لیے انہوں نے مرکز کے حکم کے مطابق ایسا کیا۔ جو کام خواتین گھر گھر جا کر کر لیتی ہیں وہ مرد حضرات نہیں کر سکتے۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ نبی کریمؐ نے بھی ایسے موقعوں پر خدمت خلق کیلئے خواتین سے کام لیا ہے میں نبی کریمؐ کے راستے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا یوں انہوں نے ثابت کر دیا کہ اللہ اور نبی کریمؐ کی اطاعت میں ہی زندگی کا نصب العین چھپا ہوا ہے۔

ان کے اس بیان سے نہ تو آنے والوں کی دل شکنی ہوئی اور نہ ہماری سرزنش ہوئی خوش اسلوبی سے تمام معاملہ طے پا گیا۔

ایک بہت اہم بات جو میں آپ کو بتانے جا رہی ہوں کہ جب اس اجلاس کے اختتام پر ہم خواتین وہاں سے باہر آ کر گاڑی میں بیٹھنے لگیں تو مرد حضرات ابھی وہیں کھڑے تھے ہمارے جانے کے منتظر تھے۔ مینا آپا گاڑی میں آگے بیٹھ گئیں میں اور بیگم عامر پیچھے بیٹھے جب میں گاڑی میں بیٹھی تو میری جوتا گاڑی سے باہر رہ گئی۔ قاضی صاحب آگے بڑھے اور میری جوتا اٹھا کر گاڑی کے اندر پکڑائی کہ کہاں یہ گاڑی سے اترنے کی

تکلیف کریں گی اور جوتا پکڑیں گی۔ یہ ان کی عاجزی اور انکسار تھا لیکن مجھ جیسی عام ورکر کیلئے بہت بڑا اعزاز تھا ان کی بیگم صاحبہ ابھی حیات ہیں وہ اس بات کی گواہ ہیں۔

الیکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں شیخوپورہ سے نذیر احمد ورک قومی اسمبلی کے امیدوار تھے۔ ایک صاحب قصور سے تھے، لاہور سے لیاقت بلوچ، میاں عثمان اور حافظ سلمان بٹ تھے یوں پانچ سیٹوں کی ذمہ داری مجھ پر تھی کیونکہ ان دنوں میں ڈویژن کی ناظمہ تھی میرے ساتھ میری نائب بھی متحرک تھیں جن میں میاں طفیل صاحب کی بیٹی شاہدہ، سمیعہ فاطمہ اور بہت سی سرگرم ارکان کا تعاون تھا۔ الیکشن کی تیاری کیلئے فنڈز دیئے جا رہے تھے قاضی صاحب میرے گھر آئے الیکشن کے بارے میں بات چیت کی اور مجھے ان کے آنے پر بہت حیرت ہوئی لوگ تو ورکرز کو اپنے پاس بلاتے ہیں یا پھر فون پر ہدایت دے دیتے ہیں یہ کیسے لیڈر تھے جو خود چل کر میرے گھر آئے مجھے ان کے آنے کی بہت خوشی ہوئی۔ میں برقعہ پہن کر ان کے پاس بیٹھی چائے پلائی اور مختلف امور میں ان سے رہنمائی لیتی رہی۔ دوران گفتگو انہوں نے الیکشن فنڈ مجھے دیا 25 ہزار قصور کیلئے 25 ہی شیخوپورہ کیلئے اور پچاس ہزار لاہور کیلئے دیئے میں نے کہا پچاس ہزار لاہور کیلئے کم ہیں پچیس اور دیں تو انہوں نے کہا آپ کو بہت لوگ فنڈ دیں گے آپ خود انتظام کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم چار سیٹیں جیتے اور صرف ایک سیٹ ہارے جو قصور کی تھی۔ جس جماعت کا امیر ایسا ہو جو خود چل کر ورکر کے پاس آئے اسے کامیابی تو ہوگی۔

الیکشن اور خدمت خلق والے دونوں واقعات میں جو قدر مشترک ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ ان کا خدمت کا جذبہ ہے۔

ان کی گھریلو زندگی پر نگاہ ڈالیں تو راحیل کی بیوگی کی تصویر میرے سامنے ہے جب راحیل پانچ چھ سال کی تھی وہ ہمارے ساتھ چل پڑتی چاہے وہ ادبی پروگرام ہو یا سوشل ورک ہر جگہ ہمارے ساتھ ہوتی۔ قاضی صاحب کہتے وہ آپ کے ساتھ رہ کر سیکھ رہی ہے ہوتے ہوتے راحیل کی شادی ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بیوہ ہوگئی۔ راحیل کے نوجوان شوہر ڈاکٹر جمیل کی وفات نے تمام خاندان کو گہرے صدمے سے ہمکنار کیا ایسے موقع پر میں نے قاضی صاحب اور ان کی بیگم کو دیکھا جو صبر کے مجسم پیکر بنے بیٹھے تھے۔ ان کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی لیکن ڈاکٹر جمیل کی وفات پر ہم نے کوئی ایسی رسم نہ دیکھی جو عموما لوگ ایسے موقع پر کرتے ہیں ہر فرد مجسم غم تو تھا مگر آہ واویلا کہیں سنائی نہیں دیا۔ قاضی صاحب داماد کی وفات کے بعد ایک سائبان کی مانند راحیل اور اس کے دونوں بچوں کی نگہداشت کرتے رہے۔ قاضی صاحب سے میرے گھریلو تعلقات بھی تھے عید کے پرمسرت مواقع پر دوسرے تیسرے روز میں ضرور ان کے ہاں جاتی ان کی بیگم سویوں اور دیگر لوازمات سے ہماری خاطر مدارت کرتیں۔ قاضی صاحب میرا میرے گھر والوں اور

جماعتی لوگوں کا حال احوال دریافت کرتے اور مشورے دیتے۔ وہ ایک بے حد متواضع بے تکلف اور حدود میں رہنے والے انسان تھے۔

شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا میری آنکھ کا مسئلہ تھا۔ میں حجاب ہٹا کر چلتی تھی اس پر قاضی صاحب کے سامنے اعتراض ہوا۔ راحیل نے بتایا کہ قاضی صاحب نے شکایت سن کر کہا اللہ تعالیٰ نے پردے کے جو احکام قرآن میں بیان کیے ہیں اس کے مطابق ان کی عمر کو دیکھتے ہوئے پردے کے معاملے میں نرمی برتی جا سکتی ہے۔ ساتھ ہی کہا آپ سب لوگ اپنی فکر کریں ان کی جوابدہی کی فکر نہ کریں وہ خود قرآن پڑھتی اور پڑھاتی ہیں وہ خود اللہ کے آگے جوابدہ ہیں۔

کسی نے اعتراض کیا وہ گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھتی ہیں قاضی صاحب نے کہا میں کیسے منع کر دوں ان کی عمر ستر سے اوپر ہے ان کو یہ رعایتیں اللہ نے دی ہیں میں ان کو یہ بات کہنا درست نہیں سمجھتا۔

یوں تو قاضی صاحب کی زندگی کے واقعات ایک نہیں کئی کتابوں کی مرہون منت ہیں ان پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے وہ اتنے مہذب شائستہ بااخلاق اور خاص وضع دار انسان تھے اب ہم کہاں ایسے فرد کو تلاش کریں۔ میں ہمیشہ دوسروں کی خوبیوں پر نگاہ رکھتی ہوں خامیاں تلاش نہیں کرتی اس لیے ان کی خامیوں کو کریدنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)

☆☆☆

شاہدہ اکرام

# قائداور کارکن

پروفیسر غفور کے بعد قاضی حسین احمد بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہر انسان کو فنا ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ ہم نے قاضی صاحب کی شخصیت کے بہت سے پہلو دیکھے ہیں۔ قاضی صاحب کی امارت اور میری رکنیت کا سال ایک ہی ہے۔ ہماری یہ قدر مشترک ہے۔ اس کے علاوہ میری زندگی میں دو تین ایسے واقعات آئے جس نے یہ سوچ دل ودماغ میں راسخ کر دی کہ ایک قائد اور کارکن کا کیا تعلق ہوتا ہے۔

سال گزشتہ کی بات ہے کہ میں اپنی جوان بیٹی کے غم فراق میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے میرے خیالات سے مجھے چونکا دیا۔ میں فون کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ لہٰذا رسیور اٹھا کر کان کو لگایا تو ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ ''شاہدہ آپا بول رہی ہیں؟ ہولڈ کریں منصورہ سے قاضی حسین صاحب بات کریں گے۔'' میں چونکی ہو کر بیٹھ گئی۔ اسی اثناء میں مجھے قاضی حسین احمد صاحب کی آواز سنائی دی۔ ''السلام علیکم'' میں نے جلدی سے وعلیکم سلام کہا۔ قاضی صاحب محترم میرے ساتھ میری بیٹی کی تعزیت کر کے میرا غم ہلکا کر رہے تھے۔ پھر وہ مجھ سے میرے بیٹے کا حال چال پوچھنے لگ گئے۔ جس پر انہوں نے خصوصی نظر کرم اس وقت کی تھی جب وہ نواز شریف کے دور میں UET لاہور میں چند اور جمعیت کے نوجوانوں کے ساتھ زیرِ عتاب تھا۔ وہ اس وقت UET کا ناظم جمعیت تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ آپ لوگوں کے قریب ہے، منصورہ نمبر 2 میں کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، اور الخدمت فاؤنڈیشن کے نیوز لیٹر کا مدیر ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہم اس سے رابطہ رکھیں گے۔ ان کے بعد آپا جان (بیگم قاضی صاحبہ) نے مجھ سے تعزیت کی۔ میرا آدھا غم اس احساس نے دور کر دیا کہ میرے قائد نے مجھ جیسی کارکن کو اہم جانا اور اس کے غم میں شریک ہوئے۔

گزشتہ سالوں میں قاضی صاحب کے بھائی فوت ہوئے۔ میرے پاس اس وقت صوبہ پنجاب کی نظامت تھی۔ میں نے سمیحہ راحیل قاضی، آپا جان اور قاضی صاحب محترم کو تعزیتی خط لکھا۔ راحیل نے مجھے بتایا کہ ابو کو آپ کا خط ملا اور انہیں بہت اچھا لگا۔ فرمانے لگے ''کہ خط ایک بہترین ذریعہ ہوتے ہیں تحریر دیرپا چیز ہوتی ہے۔''

سمیحہ راحیل قاضی کے شوہر فوت ہوئے، تو اس

وقت بھی میرے پاس صوبہ کی نظامت کی ذمہ داری تھی۔ ملتان خبر پہنچی تو یوں لگا کہ کوئی قریبی عزیز فوت ہوگیا ہے۔ بہت بے چینی تھی کہ جلد از جلد تعزیت کے لیے جاؤں۔ کوئی ساتھ نہیں بن رہا تھا۔ آخر کار میں نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور رات کے ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوکر ہم لاہور منصورہ پہنچ گئے۔ اور سب کے غم میں شرکت کی اور اسی رات واپسی ہوگئی۔ ان سب گھر والوں کو یہ بات بھی ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ سچ ہے خوشی سے رہ جائیں، غمی سے نہ رہیں۔ ایسی باتیں تاحیات یاد رہتی ہیں۔

نوے کی دہائی کی بات ہے قاضی صاحب کو پشاور میں گرفتار کرلیا گیا۔ ہم لوگ صوبائی پروگرام کے سلسلے میں منصورہ میں تھے۔ ہم لوگ ساری رات آپا جان کے پاس رہے۔ وہ رات ہم نے جاگ کر کاٹی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفے سے قاضی صاحب سے رابطہ کی کوشش ہوتی۔ بالآخر پتہ چلا کہ قاضی صاحب بخیر وعافیت ہیں تو سب کی جان میں جان آئی۔

آج جب قاضی صاحب ہم میں موجود نہیں ہیں، ان کی باتیں اور یادیں ان کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے چھوٹے سے چھوٹے کارکن کے ساتھ بھی گہرے روابط تھے۔ ہر کوئی ان سے قریب تھا اور وہ اس پر پدرانہ شفقت ومحبت نچھاور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ وہ قرآن کے مرد مومن اور مرد مجاہد تھے۔ پوری امت کے اتحاد کے داعی تھے۔ جس نصب العین کو انہوں نے اپنایا، اس پر تا زندگی عمل کیا۔ اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے تمام حسنات کو قبول فرما کر ان کو بلند درجات سے نوازے۔ ہم ان کی سیرت سے عزم واستقلال، خوفِ خدا، دنیا سے بے خوفی، اپنے موقف پر ڈٹ جانا، کسی مشکل کو خاطر میں نہ لانا اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا جیسی خصوصیات اپنا سکتے ہیں۔ اسلامی انقلاب ان کا خواب تھا۔ جس کی تعبیر کے لئے وہ ہر وقت سرگرداں رہتے تھے۔ حکمران وقت کی نااہلیوں پر تنقید کرنے سے گھبراتے نہیں تھے، بلکہ محاسبہ کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے تھے۔

جماعت اسلامی کو انہوں نے ہمیشہ متحرک رکھا۔ وہ خود ''نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر'' پارہ کی طرح مضطرب رہتے۔ حلقہ خواتین کو بھی انہوں نے بہت فعال کیا۔ وہ ہر وقت ہر قسم کا تعاون کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ عورتوں کے کام کو بہتر کرنے کے لیے مردانہ نظم کو ترغیب دیتے رہتے۔ خواتین کے مرکزی اور صوبائی بڑے پروگراموں میں خود شریک ہوتے، جس کی وجہ سے مرد حضرات بھی اپنے اہل خانہ کو جوق در جوق لاتے۔ خواتین کے دوروں کا اہتمام فرماتے۔ گاڑیوں کے انتظام کرواتے۔ سفارشات کو اہمیت دیتے اور شوراؤں میں منظور کرواتے۔ خواتین کی مرکزی پروگراموں میں شرکت کو ہر ممکن بناتے اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے۔

وہ صرف پاکستان کے نہیں، بلکہ پوری امت کے رہبر ورہنما تھے۔ تمام اسلامی اور وہاں کی اسلامی تحریکوں کے سر براہوں سے بہترین تعلقات تھے۔ ہر کسی کے اتحاد کے لیے کوشاں رہتے۔ خاص طور پر دینی جماعتوں کے اتحاد کی کوششیں جاری رکھتے۔

آخری وقت تک وہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ ان کو بہت محبت تھی۔ صبغت اللہ میں رنگے ہوئے تھے۔ خدا کے سوا ان کو کسی کا خوف نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔ وہ نفس مطمئنہ تھے۔ رب کے حضور پہنچ گئے۔ ہم بھی ان کے پیچھے جانے والے ہیں۔ خدا ہمیں بھی سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔

رب کریم قاضی صاحب سے راضی ہو جائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆☆☆

صائمہ اسما

# تبدیلی اور امید کا قائد

غالباً 1985 کے رمضان المبارک کی بات ہے۔

امی نے ایک دن افطاری پر ایک فیملی کو مدعو کیا۔ ایک شفیق سی خاتون اور ساتھ ان کی دو ہنس مکھ اور ملنسار سی بیٹیاں، پشتو لہجے میں خوبصورت گھڑی گھڑائی اردو بولنے والی۔ پتہ چلا پشاور سے آئے ہیں۔

"یہ لوگ اپنی کھڑی فصلیں اور پھیلا ہوا کاروبار چھوڑ کر جماعت کے بلانے پر یہاں آگئے ہیں......تین کمروں کے فلیٹ میں۔"

امی کے لہجے میں حیرت، ستائش، ممنونیت، رشک نہ جانے کیا کچھ تھا!

"اہل مکہ کی ہجرتِ مدینہ بھی تو ایسی ہی تھی......فرض کی پکار پر انہوں نے ہر چیز کی محبت کو خیر باد کہہ دیا تھا۔"

پھر یہ دونوں لڑکیاں جو پہلی ملاقات میں ہی سہیلیاں بن گئی تھیں، ہم سب کے ساتھ کالونی کی وین میں آنے جانے لگیں۔ خولہ میرے ساتھ سکول میں تھی اور راحیل لاہور کالج میں۔ خولہ سے ہم عمر ہونے کی بنا پر زیادہ بے تکلفی تھی جبکہ راحیل کے سامنے اپنا آپ ذرا چھوٹا اور امیچور لگتا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت بھی راحیل کی معلومات قابلِ رشک ہوتیں اور فارسی، عربی اور انگریزی کا تلفظ بہترین، روس میں کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ تبدیل ہوا تو اس کا مشکل سا نام زبانوں پر چڑھتا ہی نہ تھا۔ صبح صبح حسبِ معمول سکول وین میں سکول جاتے ہوئے گپ شپ لگتی۔ اس دن بھی ہم ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ گورمیکو کی جگہ جو نیا سربراہ بنا ہے اس کا نام کیا ہے۔

راحیل نے بڑی سہولت سے کہا۔

"می خائیل گرباچوف۔"

اور مجھے ہمیشہ کے لیے یہ نام اسی تلفظ کے ساتھ یاد ہو گیا۔ اس کے بعد قریب رہتے ہوئے اکثر ان دونوں سے ملاقات رہتی۔

تو یہ تھے جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری قاضی حسین احمد......المعروف قاضی صاحب جن سے میرا پہلا تعارف ان کی فیملی کے ذریعے ہوا تھا۔ یہ بھرپور افغان جہاد کا زمانہ تھا جب سپر طاقت روس کو مجاہدین نے پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ انہی دنوں افغان جہاد سے متعلق ایک کیسٹ سننے کا اتفاق ہوا۔ یہ قاضی حسین احمد کی تقریر تھی جس کے آغاز میں انہوں نے افغانستان کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے اشعار خوبصورت فارسی لہجے میں پڑھے تھے۔ ایک شعر اب بھی یاد ہے:

ز فسادِ اُو فسادِ ایشیا
دَر کُشادِ اُو کُشادِ ایشیا

افغانستان کی تاریخ مختصراً بتاتے ہوئے انہوں نے جہادِ افغانستان کو بقائے پاکستان کی جنگ قرار دیا تھا۔اس تقریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد تھرڈ ائیر کے امتحانات ہوئے تو انگریزی کے پرچے میں دیکھا کہ مضمون کے لئے درج عنوانات میں ایک عنوان ''افغان کرائسس'' بھی ہے۔ مجھے اس موضوع پر کوئی خاص معلومات نہ تھیں۔ سیاسیات بطور مضمون رکھنے کے باوجود سیاسی حالات خصوصاً تاریخ جغرافیہ سے کوئی شغف نہ تھا۔بس ادب اور شاعری لکھنا پڑھنا اچھا لگتا تھا۔مگر افغان جہاد پرسنی ہوئی اس تقریر کے بل پر میں نے یہ عنوان منتخب کرلیااور جو کچھ ذہن میں تھا لکھ دیا۔گھر آ کر بڑی پشیمان رہی کہ نجانے کیا اوٹ پٹانگ لکھ آئی ہوں، پہلا امتحان ہے،ٹیچر پر نہ جانے کیا تاثر پڑے گا۔اور اس وقت تو حالت واقعی غیر ہوگئی جب ٹیچر نے کلاس میں میرا نام پکارا اور پوچھا کہ کیا آپ نے افغان کرائسس والا مضمون attempt کیا ہے؟ میں نے ڈرتے ڈرتے اثبات میں سر ہلایا تو حیران رہ گئی کہ انہوں نے مضمون کی بے حد تحسین کی۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر اور کیسٹ والے مقرر کا شکریہ ادا کیا۔

1988ء میں یہی قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی منتخب ہوگئے۔تحریکی نوجوانوں میں ان کی بے حد پذیرائی تھی۔ پھران کی قیادت میں کاروانِ دعوت ومحبت روانہ ہوا اور شہر بہ شہر ہوتا ہوا لاہور پہنچا تو ان کا استقبال دیدنی تھا۔ اب میرے ذہن میں قاضی حسین احمد کا خاکہ ''قاضی صاحب'' کے طور پر خولہ اور راحیل سے ہٹ کر بننے لگا۔ وہ پاکستان کی واحد اسلامی تحریک کے انتہائی متحرک، پرجوش اور وژنری لیڈر کے طور پر ابھرے تھے۔ عالم اسلام اور اسلامی تحریکوں سے بے حد مربوط، مولانا مودودیؒ کے بعد اگر کہا جائے کہ قائدانہ صلاحیتوں کے لحاظ سے وہ یکتا تھے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔انہوں نے مختلف عالمی اسلامی تحریکوں سے inspiration لیتے ہوئے جماعت کے لگے بندھے انداز میں کچھ نمایاں تبدیلیاں کیں۔ جماعت اسلامی جوضیاء دور کے طول طویل مارشل لاء کے دوران ملکی سیاست کے منظرنامے میں ایک لمبی رخصت پر چلی گئی تھی انہوں نے جھنجھوڑ کر بیدار کر ڈالی۔ مشہور مستشرق John Esposito ایک جگہ لکھتا ہے کہ ضیاالحق کا دور پاکستان کے اسلام پسندوں کا زور توڑنے کے لئے تھا۔ ان معنوں میں دیکھا جائے تو یہ بات بالکل درست لگتی ہے کہ طویل مارشل لائی سالوں نے جماعت کو اپنے ووٹر سے کاٹ دیا تھا اور ہر شعبے میں بظاہر اسلام کی لیپا پوتی نے معاشرے میں جماعت کے مذہب کے معاملے میں قائدانہ کردار کو بڑی حد تک دھندلا دیا تھا۔ رہی سہی کسر اتحاد کی سیاست نے پوری کردی۔میاں نواز شریف کے تکبر اور حبِ اقتدار کو قاضی صاحب جیسا بے لوث مردِ مجاہد، مرد میدان لیڈر اور جماعت اسلامی کے تھوک کے حساب سے مخلص ان تھک اور نڈر کارکن مفت میسر آ گئے تھے۔اقتدار ملتے ہی ان کی رعونت عود کر آئی۔ آئی جے آئی کا منشور دھرے کا دھرا رہ گیا،قوم سے کیے گئے وعدے

ذاتی ایجنڈوں کے آگے دب گئے یہاں تک کہ اصولی بنیادوں پر جماعت اسلامی نے اتحاد سے علیحدگی اختیار کرلی۔

یہاں سے آگے کا سفر بے کٹھن تھا......لیکن بہت مزیدار بھی!!

قاضی صاحب نے پاکستان اسلامک فرنٹ بنا کر سیاسی میدان میں تنہا اڑان کا فیصلہ کیا...... جماعت کے اپنے بل بوتے ، اپنی شناخت اور اپنے انتخابی منشور پر! اس فیصلے نے جہاں کارکنوں کے جذبوں میں ایک نئی روح پھونک دی، رگوں میں نیا خون دوڑادیا، وہاں کئی پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔نواز شریف کو امکانِ اقتدار کی کشتی ڈولتی محسوس ہوئی تو اس نے قاضی صاحب پر غلیظ الزامات لگائے۔

وہ جو کروڑوں کا کاروبار، جائیداد اور فصلیں چھوڑ کر مہاجر ہو گیا تھا......اس پر دس کروڑ وصول کرنے کا الزام لگایا۔

نظریہ پاکستان کے ''محافظ'' نوائے وقت نے اس الزام پر مبنی کوارٹر پیج کا اشتہار صفحہ اول پر چھاپا۔نواز شریف کے وفاداروں کا غم وغصہ تو قابل فہم تھا۔ جماعت کے کئی ''دوست نماؤں'' کے بت بھی خطرے میں پڑ گئے۔جن کے دلوں میں بچھڑے بسے ہوئے تھے وہ اتنی آسانی سے کیسے یہ فیصلہ قبول کر لیتے!!

آج خود جماعت اسلامی کے اندر بہت سے لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی جو اپنے طریق کار کے لحاظ سے ایک سیاسی جماعت ہے، اسے اپنے منشور کو پورا کرنے کے لیے عوام کے اندر نفوذ کرنے کی ضرورت ہے اور اس نفوذ کے لئے خدمت خلق، اصلاح اور تعلیم کے ساتھ ہر مستحب طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔اور جب تک یہ نہیں ہوگا، یہ ایک تبلیغی اور اصلاحی تحریک تو رہے گی، لوگ اس کا احترام کرتے رہیں گے۔مگر معاشرے میں انقلابِ امامت پیدا کرنے والی ہمہ گیر قوت نہیں بن سکتی۔

قاضی حسین احمد اس بات کا ادراک کرنے والے پہلے قائد تھے۔

فکر اقبال کی مضبوط بنیاد، دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں سے گہرے روابط اور عالمی حالات پر گہری نظر نے ان کو ایک وسیع وژن دیا تھا۔ خالص پختون اور دینی پس منظر نے اس وژن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جرأت، امید اور استقامت جیسی ضروری صفات عطا کیں اور پھر انہوں نے ایک بے حد انقلابی فیصلہ کیا۔

انقلاب کا فیصلہ!

انہوں نے اقامت دین کے مشکل تصور کو سہل انداز میں عوام کے سامنے رکھا۔ جبہ ودستار اور منبر ومینار کی بلندی سے اتر کر عوامی سطح پر آئے عوام کے مسائل پر بات کی، کرپٹ حکومتوں اور جاگیردارانہ نظام کو للکارا، یہاں تک کہ مقدس گائے کو بھی نہ چھوڑا اور فوجی جرنیلوں کو ان کی عیاشیوں پر تنبیہ کی۔

کانٹے چننے کے لئے کسی کو تو کانٹوں پر چلنا پڑتا

ہے۔

باری باری اقتدار کے مزے لینے والوں کے خلاف ''چہرے نہیں نظام بدلو'' کا نعرہ تو بہت سوں نے لگایا، مگر متبادل قیادت صرف قاضی حسین احمد نے فراہم کی اور اس کے لئے سڑکوں پر آ کر پتھر، لاٹھیاں اور گالیاں کھانے کا جگرا قاضی کی سربراہی میں جماعت اسلامی کے کارکن کا ہی تھا۔

جب پتھر کھانے کے لئے لیڈر خود صف اول میں موجود ہو......ظلم کے نظام کو للکارنے والی آواز خود اس کی اپنی ہو...... گولیوں کے آگے چھلنی ہونے کے لئے سب سے پہلے وہ اپنا سینہ پیش کرے......تو پھر کارکن ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' کی منزل کیسے سر نہ کرے!!

اور یہ گولیاں اور گالیاں، لاٹھیاں اور شیلنگ، جیلیں اور تھانے...... یہ تو سب بیرونی ماحول میں تھے۔

قاضی کو زخم اندر سے بھی لگے!

مجھے وہ وقت یاد ہے...... سب ذرا ذرا...... قاضی کے لئے تو طعنہ ودشنام تھا ہی ...... قاضی کے مشن کو اپنا مشن کہنے والوں...... قاضی کی قیادت میں جماعت اسلامی کو واحد امید قرار دینے والوں کے لئے بھی کانٹے کم نہ تھے۔

گھروں کے ماحول میں، محفلوں میں کڑواہٹ گھل گئی تھی۔ صبح ہوتی اور حیلے بہانے سے تیر چلنے لگتے۔

قاضی نے نواز شریف کا ساتھ کیوں چھوڑا؟

جماعت پیپلز پارٹی سے ملی ہوئی ہے۔

واہ! یہ چھوٹی برائی اور بڑی برائی کے فلسفے!

قاضی صاحب جماعت اسلامی کے گورباچوف ہیں۔

یہ عوامی سٹائل کے جلسے جماعت اسلامی کا کلچر نہیں۔

یہ فکرِ مودودی سے انحراف ہے۔

شخصیت پرستی ہے۔

توبہ توبہ......اف......اف!

طرفہ تماشا یہ کہ آج ان میں سے بہت سے لوگ عمران خان کی مدح سرائی میں مشغول ہیں۔ وقت کی چال بڑی ظالم ہوتی ہے۔ وقت کی عدالت بڑے بڑے پیچیدہ معاملوں کا فیصلہ چپ چاپ سامنے لے آتی ہے۔

سیاسی بساط پر عمران خان کی آمد 1997ء کے انتخابات میں ہوئی تھی اور چند ماہ عمر کی تحریک انصاف ان انتخابات میں اس سے کہیں زیادہ بری طرح پٹی تھی، جس طرح 1993ء میں چند ماہ کا پاکستان اسلامک فرنٹ (PIF) پٹا تھا۔ PIF کی زیادہ پذیرائی نہ ہونے سے جماعت کے اندر قاضی صاحب کی حکمت عملی سے اختلاف رکھنے والوں کو تقویت ملی۔ اس صورتحال نے ان کی اڑان کو اندر سے anchor کر کے رکھ دیا اور وہ جس جارحانہ انداز سے عوام میں نفوذ، جماعت کی عوامی مقبولیت اور الیکشن میں کامیابی کے واضح اہداف پر فوکس کیے آگے بڑھ رہے تھے، اپنی رفتار برقرار نہ رکھ پائے۔

اس کے برعکس چار سال بعد عمران خان صاحب نے ذاتی شہرت، عوامی اعتماد اور ووٹ بنک کے لحاظ سے جماعت اسلامی کی نسبت کہیں زیادہ نچلی سطح سے آغاز

کیا۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ زیرو بھی نہیں، منفی رینکنگ سے آغاز کیا تو غلط نہ ہوگا۔ مگر واضح وژن اور فوکس کے ساتھ سوچے سمجھے راستے پر صبر و استقلال سے قدم بقدم چلتے ہوئے آج وہ اس مقام پر ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو ملک کے مستقبل کی واحد امید سمجھنے لگے ہیں۔

تو چند ناکامیاں...... ڈیڑھ دو عشروں کا صبر...... اس کی تو کوئی اوقات ہی نہیں مقصد کی بلندی کے آگے!

جماعت اسلامی کو تھوڑا سا جان لینے کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ جماعت کئی حوالوں سے معاصر دینی اور سیاسی جماعتوں سے نہ صرف ممتاز ہے، بلکہ بعض پہلوؤں سے کوئی تنظیم اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ اسکو دیکھنے کے بعد باقی گروہ محض ایک بھیڑ یا ریوڑ یا ہجوم محسوس ہوتے ہیں جن کے پاس کوئی واضح سمت نہ ہو اور محض ایک ہنکانے والے کے تحت چلے جا رہے ہوں۔ اس کا شورائی نظام، ڈسپلن، تربیت ہر سطح پر موجود انتخابی عمل اور اس سے کہیں بڑھ کر اس کی نظریاتی بنیاد اور اس کے ممبران کی اس نظریے کے ساتھ کمٹ منٹ...... یہ ایسی نمایاں خوبیاں ہیں جو اسے ایک سنجیدہ اور مخلص جماعت ثابت کرتی ہیں۔ اس کا بے داغ ماضی اس پر مستزاد ہے۔ اس کے راہنماؤں کے کسی نیب اور وکی لیکس میں نام نہیں آئے۔ ملک کے طول و عرض میں عوام خدمت خلق میں سرمایہ لگانے کے لیے اس پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ یہ تفرقہ بازی اور مسلکی اختلافات سے بالاتر ہے۔ اس کی قیادت کا کردار پیٹھ پھیر کر بھاگنے والا نہیں بلکہ دلیری سے میدان میں ڈٹ جانے والا ہے۔ اس کی تاریخ مسلسل جدوجہد، قید و بند اور اصول پرستی سے عبارت ہے۔ یہ آپس میں بھی محبت اور اخوت کے جذبوں سے لبریز ہے اور عالم اسلام کے لئے بھی دلِ درد مندر رکھتے ہوئے ہر خطے کے مسلمانوں سے مربوط ہے۔

میری حقیر رائے میں جماعت اسلامی کی شوریٰ کو نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے کے لیے سنجیدگی سے غور ہونا چاہیے۔ ہر سطح کی شوراؤں میں انتخاب کا معیار بھی زیر بحث آنا چاہیے تاکہ شورائیت کا یہ بہترین نظام نہ تو Tyranny of the majority میں بدلنے پائے اور نہ ہی

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

والا معاملہ ہو۔ شورائی نظام yesman کلچر سے بھی بچاتا ہے اور صرف تنقید و محاسبے کا بھی نام نہیں بلکہ دونوں عناصر کا توازن اس طرح ہو کہ اس میں ایک وژنری لیڈر کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت موجود رہے۔ ان پرندوں کی ڈار کی طرح جو اپنے جال کے سمیت اڑ گئے تھے!

ہزاروں سال پہلے سقراط کو تو زہر کا پیالہ دینے والے بے دین اور گمراہ لوگ تھے۔ جبکہ جدید ترین دین اسلام کی تاریخ دیکھیں تو ہر زمانے میں قد آور اور مضبوط شخصیات کا ایک سلسلہ نور ہے جو چلا آتا ہے۔ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کے دور رس حکیمانہ فیصلے جن

سے آج بھی استفادہ کیا جاتا ہے، ایک زبردست قائد کے شخصی وژن ہی کے مرہون منت تھے۔قدآور شخصیات کا وزن اٹھانے کے لئے نیچے بے حد مضبوط اور قدرے لچکدار نظام کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ سخت گیر نظام عمومی (ordinary) قیادتوں کو ہی جنم دیتے اور sustain کرتے ہیں۔

تو جماعت کا آٹو رن سسٹم بوجوہ قاضی کے وژن کا بار نہ اٹھا سکا!!

یہاں میں حسن نثار کے ایک کالم سے ایک دلچسپ اقتباس شامل کر رہی ہوں۔حسن نثار صاحب نے پوری طرح ''مستغرق'' ہونے سے پہلے پہلے 90ء کی دہائی میں بڑے دھانسو قسم کے کالم لکھے تھے اور بڑی انقلابی سوچ کا مظاہر کیا تھا۔ پاکستانی میڈیا جو اس وقت زیادہ تر پرنٹ میڈیا پر مشتمل تھا ، اپنی نویافتہ آزادی سے محظوظ ہورہا تھا31 اکتوبر 1996ء کے روزنامہ خبریں میں وہ لکھتے ہیں:

دل کے مریض لیکن دلیر قاضی...... بزرگ لیکن بہادر قاضی کی وجہ سے جماعت اسلامی کو پہلی بار تھڑوں سے لے کر ڈرائنگ روموں تک میں ہمدردی اور شاباش ملی۔ لوگ اپنائیت سے قاضی کا ذکر کرتے اور عجیب سی سرخوشی اور شرمندگی کے ساتھ ایک دوسرے کو یہ ''راز'' کی بات بتاتے ہیں کہ:

''جماعت تو دراصل غریب،سفید پوش اور متوسط طبقے کے لوگوں پر مشتمل ہے اور انہی کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔''

''جماعت میں جاگیردار، سرمایہ دار، سمگلر، قبضہ گروپیے ،قرضہ خور قسم کے لوگوں کا گزر تک ممکن نہیں۔''

''جماعت کے لوگ نیک لوگ ہوتے ہیں......لوگوں کے کام آتے ہیں، رفاہی کاموں سے لے کر سیلاب جیسے دنوں میں جماعت کے کارکن فرنٹ لائن پر ہوتے ہیں۔''

جمات کی تنظیم کا بھی جواب نہیں۔''

''تو پھر جماعت کو ووٹ کیوں نہیں ملتے؟''

لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور پھر خود ہی اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ عوامی نہیں تھے ''گنہ گاروں'' سے گریز کرتے تھے، ایمان کے ''کے ٹو'' پر چڑھ کے خطاب کرتے تھے۔خدا کے قریب لیکن خلق خدا سے دور تھے۔لیکن اب؟ اب تو سب ٹھیک ہے۔یہ مہنگائی کی بات کرتے ہیں، نظام کی تبدیلی کی بات کرتے ہیں۔ جاگیرداروں، سرمایہ داروں کی اجارہ داریوں کی بات کرتے ہیں، میرٹ کی بات کرتے ہیں۔

جیسے جیسے جماعت کے رویے میں تبدیلی لوگوں کی سمجھ میں آ رہی ہے،لوگوں کے رویے بھی تبدیل ہو رہے ہیں۔عوام کے لیے قاضی کے جذبات کی گرم جوشی سے برف پگھلنے لگی ہے۔ جماعت نظام کی فصیل میں ہی دراڑ نہیں ڈال رہی، اپنے اردگرد استوار کی گئی خودساختہ دیوار میں بھی شگاف ڈال رہی ہے اور اگر یہ مشن مستقل مزاجی سے جاری رہا تو...... قاضی کسی وقت بھی ساؤنڈ بیریر توڑ

سکتا ہے۔''

(گرتی ہوئی دیواروں کوایک دھکااوردو)

مگر پھر قاضی ساؤنڈ بیریر نہ توڑ سکا۔تبدیلی اور خوشحالی کی پری عوام کے ہاتھ نہ آئی اور اس پرفیکٹ کہانی کا انجام happily lived ever after پر نہ ہوا۔ جماعت اسلامی کوحالات کے دباؤ نے ایک بار پھر اتحادوں کی سیاست کا یرغمال بنادیا۔ملی یک جہتی کونسل نے جو قاضی صاحب کی کوششوں کا ثمر تھی، ملکی حالات کوسنوارنے میں بے حد اہم کردار ادا کیا مگر اس کا سیاسی روپ متحدہ مجلس عمل جماعت اسلامی کے لئے بہت سعد ثابت نہ ہوا اور جماعت کے ممبران کو پارلیمنٹ سے اکیلئے ہی استعفے دینے پڑے۔

مگر یہ بات تو مشرف کے دور کی ہے۔اس سے پہلے ایک اور تاریک دور بھی تھا!!

جماعت کی 93ء کی کارکردگی نے 97ء میں میدانِ انتخاب سے باہر رہنے کے فیصلے کی راہ ہموار کی جس کے نتیجے میں میاں نواز شریف ''ہیوی مینڈیٹ'' لے کر ایوانوں میں آئے۔اب جماعت اسلامی ایوانوں میں نہ تھی مگر قاضی حسین احمد کیسے فارغ بیٹھ جاتے۔

یا اپنا گریباں چاک، یا دامنِ یزداں چاک

نواز شریف کے اصل حریف پھر سڑکوں پر تھے جب انہوں نے بھارت سے محبت کی پینگیں بڑھانا شروع کیں اور واہگہ کے گیٹ واجپائی کے لئے کھول دیے۔انہوں نے اپنی سابق حلیف اور ہیوی مینڈیٹ کے لیے ان کی محسن جماعت کو اپنی پالیسی کی مخالفت اور اس پر احتجاج کی سخت سزا دی۔میاں صاحب کی رعونت انتہا پر تھی۔ اکثریت کے نشے نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔

فرعونیت کے رویے سے انسانیت کو بچانا مقصود تھا۔ قرآن نے یونہی تو فرعون کی شخصیت پر اتنی تفصیل سے بات نہیں کی!''جمہوریت'' نام رکھ لینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

دفتر جماعت کے اندر...... پرامن جلسے کے دوران ...... جماعت کی قیادت اور کارکنوں پر حکومتی غنڈوں نے دھاوا بول دیا۔ریاستی پولیس کی لاٹھیوں اور شیلنگ نے نہ بزرگ کا لحاظ کیا نہ بچے کا...... اور غنڈہ گردی کی انتہا کردی۔قاضی حسین احمد نیم بے ہوش ہوگئے۔

بزرگ قاضی اور اس کے ساتھیوں پر یہ ظلم نواز شریف کی حکومت کے سیاہ ترین ابواب میں سے ایک ہے!

؎اس سے منسوب ہوں جتنے بھی فسانے، سننا

ان میں شاید کہیں میرا بھی حوالہ ہوگا

نواز شریف جیسے اور بھی بہت ہیں...... جنہوں نے قاضی کی آنکھیں بند ہوتے ہی اپنے ضمیر کی دبی گھٹی، مفادات اور تعصّبات میں لتھڑی رہنے والی آواز کو زبان دے دی...... قاضی کے بااصول اور باکردار ہونے کی گواہی دی۔

پھر یوں ہوا کہ ظلم کے نظام کے خلاف، اقتدار کی

باریاں لگانے والوں کے خلاف، جاگیرداروں اور وڈیروں کے خلاف، امریکہ کے یاروں کے خلاف، کرپشن اور مہنگائی کے سرپرستوں کے خلاف جو آگاہی قاضی نے جان ہتھیلی پر رکھ کر معاشرے میں پیدا کی تھی، اس کھیتی کو کاٹنے والے اور لوگ آگے آ گئے، جن کے پاس قاضی جیسی جماعت نہیں، قاضی سے شاید آدھا بھی خلوص نہیں، قاضی کے ساتھیوں جیسی مضبوط نظریاتی بنیاد نہیں، عالم اسلام میں قاضی جیسی پذیرائی نہیں، دہشت گردی کی جنگ کے اسرار رموز سے قاضی جیسی محرمانہ رفاقت نہیں، قاضی کی طرح ٹھوکر میں زمانہ نہیں، شخصیت میں قاضی جیسے قد آور نہیں اور جتنے قد آور وہ اس وقت نظر آتے ہیں اقتدار کی مے چکھنے کے بعد اتنے بھی رہ جائیں گے، اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں!

آج ہم بزبانِ حال اس حقیقت کا اظہار ہیں...... سراپا عبرت ہیں کہ:

ہر قوم کو وہی حکمران ملتے ہیں جن کو وہ deserve کرتی ہے۔

ویسے ہی لوگ اس پر مسلط ہوجاتے ہیں جن کو وہ belong کرتی ہے۔

ہم نے وہ پایا جو ہم نے چاہا۔

مگر میرا قائد امید کا قائد تھا......

جس دن ہم نے اپنی چاہت بدل لی...... اس دن ہماری حالت بھی بدل جائے گی۔ ان شاءاللہ۔

☆☆☆

# مقام عاشقی دیگر

لوگ دسمبر کی شاموں میں اداس پھرتے ہیں مجھے جنوری کی صبحیں ویران کرتی ہیں۔۹ جنوری، ۲۹جنوری،۱۴جنوری ،یہ میرے دل میں بسنے والے میرے والد صاحب،میری دادی اماں اور میرے چچا کی مجھ سے جدائی کی تاریخیں ہیں۔جنوری شروع ہوتا ہے میرے دل کی دنیا سوگوار ہوجاتی ہے۔ابھی جنوری کا ایک ستم باقی تھا اور چھ جنوری بھی جانے والوں کی یاد بن گیا......

كُلّ من عليها فان...... ويبقىٰ وجه ربك ذوالجلال والاكرام۔

پانچ جنوری کی رات کے سیاہ دامن پر ابھی چھ جنوری کی صبح کے نور کے چھینٹے نہیں پڑے تھے جب مجھے قاضی صاحب کی جدائی کی خبر مل گئی تھی۔اس وقت سے میں ایک ہی سوچ میں غرق ہوں۔بار بار دماغ کو دوسری سوچوں میں مگن کرتی ہوں پھر دماغ کی سوئی وہیں اٹک جاتی ہے کہ وقت رخصت جب (اللہ سے پوری امید ہے) لینے والے ریشمی رومالوں کے ساتھ دائیں جانب آئے ہوں گے۔قاضی صاحب کو دیکھ کر انہوں نے کیا کہا ہوگا؟؟ میرا دل جواب دیتا ہے۔

قاضی صاحب کے پاس آتے ہی انہوں نے کہا ہوگا۔سلام قول من رب الرحیم۔

نہیں......یہ کہا ہوگا۔

يَاأَيَّتُهَاالنَّفُسُ الُمُطُمَئِنَه...... وَادُخُلِي جَنَّتي۔

جب سوچتے ہوئے تھک جاتی ہوں تو ایک بات پر فوراً دل ودماغ یکسو ہوجاتے ہیں کہ لینے والوں نے جو بھی کہا......قاضی صاحب نے ان کو دیکھتے ہی خوش آمدید کہا ہوگا!! رب رحیم سے ملاقات کتنی خوشگوار ہوئی ہوگی......میں آنکھوں کے گوشے پونچھتی ہوں اور خود ہی مسکرا دیتی ہوں۔مسافر نے اسی ایک لمحہ کی تیاری کے لیے تو جان کھپادی تھی۔

قاضی حسین احمد:......یہ نام بچپن سے ہی کانوں کے لئے مانوس تھا۔ بالخصوص جب منصورہ میں بنے فلیٹس میں انہوں نے رہائش اختیار کی تو میمونہ خالہ بھی منصورہ منتقل ہوچکی تھیں۔بھرے پُرے (ماشاء اللہ) خاندان سے جو بھی لاہور جاتا ساتھ میں بھی نتھی ہوجاتی۔ سنت نگر میں ماموں وحید اور منصورہ میں میمونہ خالہ۔یہی دو گھر رہائش کے لئے منتخب کرتی۔پہلے گھر میں ادبی ذوق لمحہ بہ لمحہ نمو پاتا۔ہر نئی کتاب ہر نیا ایشو موضوع بحث بنتا۔ منصورہ میں زبیدہ خالہ(بیگم اسد گیلانی)صفیہ خالہ،طیبہ

باجی، اور......راحیل۔ اس وقت کی یادیں آج بھی میرا سرمایہ ہیں۔ ماضی کے سفر میں بس یہی اک پوٹلی ہے جس میں ان مقرب اور معزز لوگوں سے بہت فیض حاصل کیا...... راحیل اور میں اس وقت ایک ہی ذوق رکھتی تھیں۔

اب میرے آنسو نہیں تھم رہے کہ زندگی کے اس سفر میں جب میرا لاہور آنا کم ہوا، پھر شادی ہوگئی......گھر بار بچے میں اپنی ذات تک محدود ہوگئی اور پندرہ سولہ سال کھسک گئے۔ پھر کہیں جماعتی ذمہ داریوں میں شامل ہوگئی اور منصورہ کا چکر لگا......تو کاسنی سوٹ اور چشمے کے ساتھ میں نے دور سے راحیل کو پہچان لیا۔ ہم نے اب لڑکپن سے نکل کر خواتین کا حلیہ اپنا لیا تھا۔ وہ بھی دو بچوں کی ماں تھی میری بھی بچی گود میں تھی۔ راحیل سٹیج پر جانے کے لیے آگے آرہی تھی۔ میں دانستہ پیچھے ہٹ گئی۔ میرے ذہن میں پہلی توجیہہ یہ آئی کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی پتہ نہیں پہچانے یا نہ پہچانے......مجھ سے تین چار فٹ کے فاصلے سے ہی راحیل نے پرجوش ہوکر سلام کیا۔

قانتہ کیسی ہو؟ بہت عرصہ کے بعد نظر آئی ہو......؟

لڑکپن کے بعد اس میچور زندگی میں قاضی صاحب کا یہ پہلا تعارف تھا۔ میں نے بھی بڑے باپ والا دیناوی فارمولا بھلا کر اس سے ہاتھ ملایا۔ بے شک وہ بڑے باپ کی بیٹی نہیں تھی بہت بڑے اور عظیم باپ کی بیٹی تھی۔

مجھے افسوس ہے میں قاضی صاحب کے بارے میں یہ نہیں لکھوں گی کہ وہ فرشتہ تھا۔ وہ بشر تھے لیکن میرے اسی لڑکپن میں میرے اندر اس بشر نے وہ جذبہ اور توانائی پیدا کی کہ کسی فرشتے کی یہ مجال نہیں۔ میرے منصورہ کے ان دوروں میں اکثر خالو گھر میں پھلوں کے ٹوکرے لاتے۔ کبھی بسکٹ وغیرہ اور بچوں کے پسندیدہ پیکٹ ہوتے۔ سیب کاٹتے جاتے اور سنگتروں کی پھانکیں چھیل چھیل کر الگ کرتے جاتے۔ ساتھ ہی معلومات بھی۔ بچوں کے پروگرام کے لیے یہ فروٹ پلیٹوں میں سجا کر لے جایا جاتا۔ واپسی پر دوگنا وقت خالو ہمیں یہ بتاتے کہ قاضی صاحب نے بچوں کو اقبال کے شاہین سے کیسے متعارف کرایا۔ قاضی صاحب نے آج بچوں کو اقبال کی فلاں فلاں نظمیں زبانی سنائیں۔

میرے لئے اس زمانے میں اقبال بس ایک شاعر تھا لیکن قاضی صاحب کے ان پروگراموں نے اقبال کو الہامی شاعر نہیں انقلابی شاعر بنا کر دکھایا۔ بیس بائیس برس گزرنے پر میں جماعتی نظم کی طرف سے ڈسٹرکٹ کونسلر بنی اور قاضی صاحب کا ان منتخب نمائندوں سے خطاب تھا۔ منصورہ آڈیٹوریم میں مردانہ نظم کی طرف سے مائیک آن تھا۔ اقبال کے ایک مصرعے۔

؎مقام بندگی دیگر، مقام عاشقی دیگر

کی اس خوبصورت انداز میں تفسیر کی کہ میرے اندر تک اس دن پہلی دفعہ مقام عاشقی اور عشق کا مفہوم اترا۔ میں اشعار کو بہت تہہ تک سمجھ نہیں پاتی ہوں لیکن اس روز خدا جانے کیا تھا کہ میں نے اپنے اندر عشق کو انگڑائی لیتے پایا۔ اس عشق کی شرح میں قاضی صاحب نے پشتو شاعر

رحمان بابا کے اوصاف اور شاعری کا بھی استعمال کیا۔ گھر آنے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ رحمان بابا کا کلام ڈھونڈا، پڑھا اور قاضی صاحب کے ذوق کی خوب داد دی اور ایک گواہی پکی ہوگئی کہ جو شخص عشق کے سمندر میں غوطہ لگا چکا ہو وہی اتنے آب وتاب سے عشق کی شرح بیان کرسکتا ہے۔

عشق حقیقی سے منور قاضی صاحب سے اس کے بعد بلا معاوضہ بیسیوں جگہ پر ایسے ایسے اشعار سنے کہ ان کے حافظے اور ذوق پر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔

قاضی صاحب اقبال کے ہی نہیں ہر اس شاعر کے مداح تھے جو انقلاب اور انصاف کی بات کرتا ہو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ بندہ کس قبیلہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فیض ہو یا فراز ان کے پاس ہر دو کے اشعار کا ذخیرہ ہوتا تھا۔

میں نے قاضی صاحب کو آخری دفعہ شا مکے بھٹیاں کے اجتماعِ عام میں سنا۔ ان کی تقریر دلپذیر بھی اور ارکان کی عدالت بلکہ کٹہرے میں اپنے محاسبہ کے لئے کڑے سوالات کا جواب دیتے بھی! وہ ایک عجیب سرد خوفناک رات تھی جب مشرف نے ایمرجنسی نافذ کردی تھی، موبائل سروس بند تھی۔ سید مودودیؒ کے جانشین نے حق ادا کردیا کہ نہ ڈرے اور نہ گھبرائے۔ اسی آن بان شان سے سوالات کا جواب دیتے رہے۔ ہر سوال کے جواب سے ان کا تقویٰ اور وسیع مطالعہ ٹپکتا تھا۔ اس سیشن میں بھی انہوں نے وہی حساس موضوع لیا جو ان کی پہچان تھا...... جس کی گواہی کیا اپنے اور کیا پرائے سب دیتے ہیں۔ حامد میر کی کیپٹل ٹاک ہو یا عرفان صدیقی کا کالم، عطاالحق قاسمی کی گواہی ہو یا جاوید چودھری کا اعتراف......سب ان کی اس خوبی کو بعد از مرگ ہی نہیں زندگی میں بھی تسلیم کرتے تھے۔ اتحاد بین المسلمین کی۔ امت مسلمہ کے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی!

پشاور کا اضاخیل پارک ہو یا قرطبہ کا اجتماع، مینار پاکستان کے سائے تلے قاضی کے متوالے ہوں یا کاروانِ دعوت محبت کے شرکاء......سب ان کی کوششوں کو سراہتے رہے۔ نقطۂ نظر سے اختلاف ہونا فطری بات ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود وسعت قلبی بے پناہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بچپن نے ان کو جس وقار اور تمکنت سے بھرپور دیکھا، میرے لڑکپن نے بھی اسی وقار اور تمکنت کو برقرار دیکھا۔ اب جب کہ میں خود بڑھاپے کی منزل پر پہنچ چکی ہوں، میں نے شا مکے بھٹیاں والے پروگرام میں بھی ان کو اسی طرح متحرک ،فعال اور ولولے سے بھرپور دیکھا مجھے چشم تصور سے بیگم قاضی کا چہرہ اداس کردیتا ہے۔ میں راحیل کو بھی آنسو پونچھتا دیکھ رہی ہوں لیکن کاش کوئی سمجھائے کہ......

راحیل! تم تو خوش نصیبوں میں سے ہو کہ تمہارا باپ جس پیغمبری مشن کو لے آیا وہ اسی کے لئے کوشاں رہے۔ تم کاہے کو غمزدہ ہوتی ہو؟ ملک کے گوشے گوشے سے ان کے لیے مغفرت کی دعا ہو رہی ہے۔ کیا بچے کیا بوڑھے ان کے لئے اپنے سگوں سے زیادہ رو رہے ہیں۔ کیا تم نے سوچا کہ امام کعبہ کا پچھلے ماہ انتقال ہوا۔ تو ان کی

نماز جنازہ خانہ خدا میں ہوئی تھی......اور...... وقت کے امام ......قاضی حسین احمد کا انتقال ہوا تو صرف خانہ خدا میں نہیں ہر چھوٹے بڑے شہر میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ ہوئی۔ اللہ کے گھر کے امام اور اللہ کے مشن کو آگے لے جانے والے میں یہی وہ فرق ہے جسے اللہ نے ظاہر کیا ہے!!

☆☆☆

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

# عندلیبِ باغِ حجاز

ان کی آنکھوں میں خواب صاف نظر آتے تھے اور ان کے ارادوں میں خوابوں کی تعبیریں نظر آتی تھیں

اُس دن صبح سویرے موبائل کی بیپ نے متوجہ کیا۔ ممانی جان کا نام موبائل کی سکرین پر دیکھ کر بے تابانہ اُسے کان پر لگاتے ہوئے ذہن میں خیال آ رہا تھا کہ ابھی پرسوں ہی تو بات ہوئی ہے ان سے، اللہ کرے خیریت ہو۔ سلام دعا کے بعد انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ یکدم سارے حواس ہوشیار ہو گئے۔ اُسی طرح جیسے انسان اپنے اوپر گرتی دیوار کو دیکھتا ہے یا ایک گہرے دریا کو عبور کرنے کے لیے ہمت جمع کرتا ہے مگر اندر ہی اندر خوف اُس پر لرزہ بھی طاری کر دیتا ہے۔

''بشریٰ! پتہ چلا؟'' ان کے لہجے میں غم کی آمیزش تھی۔

''کیا؟'' میری آواز میں لرزش مجھے خود محسوس ہو رہی تھی۔

''رات قاضی صاحب کا انتقال ہوگیا۔''

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

دل میں اداسی نے ڈیرے ڈال لیے۔ ابھی پروفیسر غفور احمد کا غم تازہ تھا۔ موت کا دن معین ہے۔ سب کی منزل وہی ہے جہاں سب ایک کے بعد ایک پہنچتے جا رہے ہیں۔ مگر انسان اپنے پیاروں کے بارے میں کیسے سوچ سکتا ہے کہ وہ ابھی چلے جائیں گے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ موت برحق ہے اور اس کا وقت کسی کو معلوم نہیں تو جب اللہ نے چاہا اُسے بلا لیا۔ پھر بھی انسان کے لیے اپنے پیاروں کی جدائی کو برداشت کرنا ایک مشکل امر ہے۔ قاضی صاحب کا چلے جانا ایسا ہی لگا۔ بچے اپنے ماں باپ کے بارے میں بہت پر یقین رہتے ہیں کہ ان کو ''کچھ نہیں ہوسکتا۔'' جب ماں بستر پر لیٹی ہو اور گھر میں چلتی پھرتی نظر نہ آئے تو معصوم بچے بہت پریشان ہوتے ہیں کہ یہ منظر ان کے لیے اجنبی ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ کمزور، ناتواں ہو اور بچوں کو چھوڑ کر چلا جائے، تو اولاد کو یقین کرنا مشکل لگتا ہے۔ ماں باپ جتنے بھی ضعیف، بیمار اور بوڑھے ہو جائیں، اولاد ان کی موت کا سامنا کرنے سے آنکھیں چراتی ہے۔ بچپن سے لاشعور میں بیٹھے اس یقین کو ٹھیس پہنچانا کسی کو منظور نہیں ہوتا کہ ''ماں باپ کو کچھ نہیں ہوسکتا''...... البتہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ اندازِ فکر میں بس

اتنی تبدیلی آتی ہے کہ۔

''اللہ کرے ماں باپ کو کچھ نہ ہو۔''

تھوڑا عرصہ پہلے قاضی صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا تو دل کی گہرائیوں سے یہی دعا نکلتی رہی کہ

''اللہ کرے قاضی صاحب کو کچھ نہ ہو۔''

تحریک سے تعلق ومحبت کا یہ عظیم اور عجیب اعجاز ہے کہ ہر امیر جماعت بالکل اپنے گھر کا فرد محسوس ہوتا ہے... بالکل اپنے باپ کی طرح! مولانا مودودیؒ جن کے لیے صرف ''مولانا'' کہہ دینا کافی ہے اور گویا کہ یہ لفظ کسی اور پہ جچتا ہی نہ تھا۔ میاں طفیل محمدؒ ''میاں صاحب'' کہ یہ لفظ ہی پہچان کو کافی تھا......اور اب ''قاضی صاحب'' لگتا تھا دنیا میں بس ایک ہی قاضی ہے اور وہ ''قاضی صاحب'' ہیں۔

''قاضی صاحب'' کا نام میں نے پہلی بار ان کے امیر جماعت منتخب ہونے کے بعد ہی سنا...... ہم ان دنوں جدہ میں تھے۔ ان دنوں وہاں کی تحریکی ذمہ داری اس ناچیز کے سپرد تھی۔ قاضی صاحب سعودیہ آئے ہوئے تھے امیر منتخب ہونے کے بعد۔ خواتین کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام ہماری پیاری بہن عالیہ بدر (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) کے ہاں کیا گیا۔

خواتین نے ان سے بہت سے سوال کیے۔ آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں، پردہ، عورتوں کی ملازمت وغیرہ کے بارے میں ان کے جچے تلے لبرل خیالات سے کچھ خواتین خوش ہوئیں اور دو چار نے عدم اطمینان کا اظہار بھی کیا......سوال در سوال کا سلسلہ کافی دیر جاری رہا۔ پشتو لہجے میں اردو بولتے ہوئے ان کے عزم اور ارادے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کی آواز سے اک نیا جوش اور ولولہ دلوں میں محسوس ہو رہا تھا۔ ''قاضی صاحب'' کی شخصیت کے ساتھ، کچھ ایسا احساس ہمیشہ جاری رہا کہ ''پرعزم، پریقین'' اور علامہ اقبال کی شاعری کو پڑھتے ہوئے مردمومن کا خاکہ بنتا تو قاضی صاحب کی شبیہ ابھر آتی۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح
نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے
مومن

غالباً ۸۸ء کے رمضان المبارک میں قاضی صاحب حرم مکہ میں اعتکاف نشین ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کی خدمت کا موقع نصیب ہوا۔ محترم بھائی نواز خان صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ گل فرین صاحبہ بھی اعتکاف میں تھیں اور ان کا گھر ہمارے تصرف میں تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ عمرہ کرنے والوں اور حاجیوں کے لیے ان کا گھر ''سب کا گھر'' ہوتا تھا۔

ان کے ہاں بہن زینت صدیقی اور بہن صبیحہ شاہد سے بھی ملاقات ہوئی۔ میرے لیے یہ خوش نصیبی کی بات ہے کہ حرم شریف مکہ میں اعتکاف بیٹھے اپنے امیر جماعت کے لیے افطاری اور خورد ونوش کا انتظام

میرے اور زینت بہن کے حصے میں آیا۔ ہم نے رمضان المبارک کے آخری چند دن گلفرین بہن کے گھر ڈیرے ڈال لیے تھے وہ بھی اعتکاف میں تھیں۔

قاضی صاحب اور سب کے لیے کھانا میری دونوں بیٹیاں نویرہ رحمان اور فائزہ رحمان، گلفرین کی بیٹی ماریہ نواز کے ساتھ لے کر جاتیں اور میرا منا سا بیٹا واصف بھی ساتھ ہی جاتا۔ قاضی صاحب کی محبت، شفقت اور دعائیں ہم سب کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔ چاروں بچے واپس آ کر خوش خوش ان سے ہاتھ ملانے، بات کرنے اور گود میں بیٹھنے کا تذکرہ کرتے۔

افطاری کے وقت کی گئی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں اور ہم ان کی دعاؤں پہ ''آمین'' کہہ کر مہر قبولیت لگواتے رہتے۔

''کاروانِ دعوت و محبت'' نے پوری تحریک میں ایک جان ڈال دی تھی۔ جوش، ولولہ، جس میں رقت بھی ہو...... ایک ہیجان بھری رقت، جیسے سویا ہوا جاگ جائے، جاگا ہوا اٹھ کر بیٹھ جائے اور بیٹھنے والا اپنے بیٹھ رہنے پہ شرمندہ ہو اور برق رفتار ہو جائے۔ اگر گاڑی میں ہیں تو کاروانِ دعوت و محبت کے ترانے لازمی سننے ہیں۔ گھروں میں ویڈیو کیسٹ لگا کر ''کاروانِ دعوت و محبت'' کے مناظر سے لہو گرما رہے ہیں۔ لگتا تھا اب ''دعوت و محبت'' کا کلچر عام ہونے لگا ہے۔ جوش، ولولے اور جذبات کی حدت سے دل پگھلنے لگتا اور آنکھیں، موتی ٹپکانے لگتیں۔ جیسے شمع جلتی ہے تو قطرہ قطرہ آنسو کی شکل میں اپنی حدت کی شدت کو ظاہر کرتی ہے۔ نوجوانوں کا جوش نعروں کے ذریعے آتش فشاں نظر آتا تھا۔

ہم بیٹے کس کے ...... قاضی کے!
پروانے کس کے ...... قاضی کے!

جوان اور جوشیلے خون کو ایک راہنما چاہیے تھا۔ ایک سمت کا تعین چاہیے تھا۔ سپاہیانہ جلال اور درویشانہ رعب و دبدبہ درکار تھا۔ قاضی صاحب کی ظاہری شخصیت ان کے باطن کی آئینہ دار تھی۔ دونوں میں تضاد نہ تھا۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

ہر امیر جماعت اپنی خوبیوں کے ساتھ اس موجودہ وقت کے لیے موزوں ہوتا ہے اور یہ وقت تھا دھیمی، خاموش قیادت کے بعد جوش اور رعب والی قیادت کا ...... کیونکہ جماعت پہ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے، اللہ ہی کی مرضی سے منصب ملتا ہے اپنی خواہش سے نہیں۔

جب ہم پاکستان آ کر اتفاق ٹاؤن میں رہائش پذیر نہیں تو تقریباً روزانہ منصورہ جانا ہوتا تھا...... کسی پروگرام سے واپسی پر، اکثر قاضی صاحب کے دولت کدہ پہ حاضری دینے چلے جاتے۔ ارکان کے اجلاس کے بعد بیگم قاضی کبھی خود ہی اصرار کر کے لے جاتیں۔ ساتھ والی بلڈنگ میں چچا جان کا فلیٹ تھا ان سے ملنے آنا ہوتا تو بھی قاضی صاحب کے گھر ضرور حاضری لگ

جاتی۔ ایک دوبار قاضی صاحب کو گھر میں دیکھا جو احساسِ عقیدت کا انسان کے دل میں اپنے امیر کے لیے ہوتا ہے وہ پوری طرح دل پہ حاوی رہتا...... کوئی ایسی مشفقانہ مگر جلالی سی کیفیت ان کی شخصیت کا خاصہ تھی جس کے سامنے ہر کوئی مرعوب ہو جاتا تھا۔ سلام کرنے کا مدعا و مقصد محض دعائیہ کلمات کا حصول ہوتا۔ سر جھکائے جواب دے دیتے۔

اپنے کارکنان سے تعلق، محبت اور ان کی قدردانی ہر لیڈر کا شیوہ ہونا چاہیے۔ قاضی صاحب اس کا بھرپور احساس و ادراک رکھتے تھے۔ ہر ملنے والا سمجھتا تھا کہ شاید سب سے زیادہ میں ہی ان کی بھرپور شفقت اور توجہ کا مرکز ہوں۔

ہم ان دنوں بلدیاتی الیکشن مہم کے سلسلہ میں لاہور کے قرب و جوار میں جا رہے تھے۔ واپسی پہ قاضی صاحب کے ہاں ٹھہرے۔ شام ہو چلی تھی میں گھر جانے لگی تو قاضی صاحب نے پوچھا سمیحہ راحیل سے کہ "انھوں نے کہاں جانا ہے؟"

"اتفاق ٹاؤن۔" سمیحہ نے جواب دیا۔

"ڈرائیور سے کہو ان کو گھر چھوڑ آئے۔"

ہر چند کہ میں نے عرض کیا کہ میں روزانہ ہی پیدل آتی جاتی ہوں کوئی مسئلہ نہیں۔

سمیحہ ہنسنے لگیں۔ "باجی! اب ابو نے کہہ دیا ہے تو اب یہی کرنا ہوگا۔"

اور پھر قاضی صاحب کی ذاتی گاڑی میں ڈرائیور مجھے گھر چھوڑ آیا۔

اتحاد امت کے زبردست داعی تھی...... "نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر" امت کو ایک دیکھنا چاہتے تھے۔ امت مسلمہ کو دنیا کے نقشے پہ پہلی صف میں دیکھنے کے متمنی تھے۔ ان کی آنکھوں میں خواب صاف نظر آتے تھے اور ان کے ارادوں میں خوابوں کی تعبیریں نظر آتی تھیں۔ وہ مرعوب امت مسلمہ کو جری، بہادر اور بارعب دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ نوجوانوں کو اقبال کا شاہین بنانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اتحاد امت کے لیے عملی تجربے کیے۔ اپنی انا کو پس پشت ڈال کر لوگوں کو قریب کیا۔ مختلف مسلک کے لوگوں کو ایک صف میں کھڑا کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے تھنک ٹینک بنایا، سیاسی محاذ پر اسلامک فرنٹ بنایا۔ پاسبان اور شبابِ ملی کے تجربے کیے۔ ان کے خلوص پہ شبہ کرنا اور بدگمانی رکھنا گناہ ہوگا۔ کچھ فیصلوں سے کچھ لوگوں کو اختلاف سے بڑھ کر کچھ اور بھی نہ تھا۔ مگر اتحاد امت، اتحاد قوم اور ملک کی بقا کے لیے ان کی کوششوں پہ کوئی حرف رکھنا ان کے ساتھ ناانصافی ہی نہیں ظلم بھی ہوگا...... امت کی بہتری کے لیے نیت کا خلوص اور جدوجہد کی لگن ناقابل شک و شبہ ہے۔ اس کا عملی مظاہرہ میں نے خود اُس وقت محسوس کیا جب ہم ملتان شفٹ ہوئے اور میری پڑوسن عزیز دوست فرزانہ خالد مسعود (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) کے بھانجے کی افغانستان میں شہادت کے موقع پر وہ ان کے ہاں تشریف لائے تھے۔ دعا کا ہر لفظ

احساس دلا رہا تھا کہ ان کے دل میں شہادت پانے والوں کے لیے کتنی محبت اور عظمت ہے اور ملت اسلامیہ کے لیے وہ کس قدر بے کل و بے چین ہیں۔

قرآن وحدیث کے بعد اقبالؒ کے کلام کے شیدائی قاضی حسین احمدؒ کی زندگی واقعی ''ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن'' کا مصداق تھی۔ گفتار اور کردار میں اللہ کی برہان...... یہی برہانی دبدبہ تھا کہ ان کے دلائل کے سامنے کسی کو یارا نہ تھا۔ جلسہ ہو یا جلوس، دھرنا ہو یا احتجاج ...... سینہ تان کر پورے جاہ وجلال سے بات کرتے۔ کوئی احتجاج ریکارڈ کروانا ہو تو بس کاغذ کا ٹکڑا بھیج دینا کافی نہ ہوتا ...... اس ملک کے نمائندے کو سامنے بٹھا کر خود سنا کر آنا کسی جری، بے باک شخص کا ہی کام ہوسکتا ہے اور ساتھ یہ بھی باور کرانا کہ ''سنتا جا شرماتا جا''

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

پارٹی کے مصروف لیڈران کو فرصت کہاں ملتی ہے؟ یہ جماعت اسلامی کے راہبروں کی خاص خوبی ہے کہ وہ اپنے کارکنان کی غمی وخوشی میں شریک ہوتے ہیں اپنے نمائندے بھیج کر مطمئن نہیں ہوجاتے۔ ہماری بیٹی نویرہ کی شادی میں ان کی طرف سے محبت اور دعاؤں سے بھرپور خط ایک بہت کارآمد و قیمتی تحفے کے ساتھ موصول ہوا...... ہمارے بچوں کے دادا جان کی وفات ہوئی تو تعزیت کے لیے گھر تشریف لائے۔ پھر واصف بیٹے کی شادی کی مبارک باد دینے تشریف لائے۔

ٹی وی پہ قاضی صاحب کا آخری دیدار ہوا...... ایک دل کی دھڑکن بند ہوگئی تھی مگر لاکھوں دلوں کی دھڑکنیں ان کے لیے دعا گو تھیں۔ یہ وہی دل کی شمعیں ہیں جن کو قاضی حسین احمد نام کی ایک شمعِ دل نے فروزاں کیا تھا۔

شرافت، سادگی، خلوص...... درخشاں وتاباں زندگی کا ایک ایسا نقش تھے جو دنیا کی لوحِ حیات پہ تادیر ثبت رہے گا۔ انسان ہونے کے ناطے، ہر کسی سے خطائیں ہوتی ہیں۔ خطائیں معاف ہو جاتی ہیں جب خلق خدا نے اُس بندے سے فیض پایا ہو۔ ان کی یہ خوبی روز روشن کی طرح سب پہ عیاں ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کی فلاح چاہتے تھے وہ اس کا بندہ بننا چاہتے تھے جس کو اللہ کے بندوں سے پیار ہو...... وہ ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں کا فرق واضح کرنا چاہتے تھے۔ وہ فصل گل لالہ کے پابند ہونا نہیں چاہتے تھے...... اسی لیے بہار تھی یا خزاں انھوں نے لا الٰہ الا اللہ کا نغمہ ہر موسم میں گایا۔ ان کی ہر ممکن کوشش رہی کہ وہ ایسے بندۂ مومن بن جائیں جس کی اذاں سے وہ سحر پیدا ہو کہ شبستان کا وجود لرز جائے۔ وہ جوانوں کو خودی کا رازداں ہونے اور خدا کا ترجمان ہوجانے کا سبق دیتے رہتے۔

اقبالؒ کا ''مردِ مسلماں'' نظم پڑھتے ہوئے قاضی صاحب کی شخصیت اور چہرہ آنکھوں سے نہیں ہٹتا۔ آج وہ ''عندلیب باغ حجاز'' باغِ عدن میں جا پہنچا۔ جس کی

گرمیٔ نوا کی بدولت وطن کی کلی کلی متاثر تھی۔ ان پہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا قرب نصیب ہو آمین۔

☆☆☆

# انقلاب کا استعارہ

؎ آخرِ شب کے مسافر نے تو پالی منزل
یہ الگ بات ہے کہ اجڑی ہے یہاں کی محفل

نصف شب کے بعد موبائل فون پر قاضی صاحب کی رحلت کا پیغام ملا تو جسم وجان گویا لرز کر رہ گئے۔ فوراً ٹی وی کھولا تو تصدیق ہوگئی پھر تو ہر چینل اور ہر پیغام اسی خبر سے عبارت تھا۔ اور اٹھارہ کروڑ لوگوں کے لئے سب سے اہم خبر یہی بن گئی

؎ شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

97ء کی بات ہے کہ میرے پاس مرکزی شعبہ نشر واشاعت کی نگرانی تھی۔ اس دوران ہم نے پاکستان بھر میں ''اصلاح ذرائع ابلاغ'' کی مہم منائی جو بنیادی طور پر تو ایک اشتہار کی مذمت میں شروع ہوئی تھی لیکن میڈیا کی بے حسی او رغیر اخلاقی اشتہارات کی تشہیر اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کی مادر پدر آزادی کے باعث یہ مہم اکثر دلوں کی آواز بن گئی۔ ملک بھر کی اشتہاری کمپنیوں سے ملاقاتیں، رابطے، ملک بھر کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اساتذہ سے رابطے اور خطوط اور سب کو یہ احساس دلانے کی کوشش کہ اگر حیا نہ رہی تو کچھ بھی نہ رہے گا۔ وہ مہم دورافتادہ گاؤں، دیہات تک پھیل گئی یہاں تک کہ BBC پر اس کی بازگشت سنی گئی اور اسلامی نظریاتی کونسل نے اس حوالے سے حکومت کو سفارشات پیش کر کے اس مہم میں مزید جان ڈال دی۔

اس دوران قاضی صاحب جو امیر جماعت تھے کراچی تشریف لائے تو قیمہ کی خواہش تھی کہ ہم ان کے روبرو اس مہم کی رپورٹ، اثرات اور آئندہ کے لائحۂ عمل پر بات کریں۔ بمشکل تمام وقت مل گیا تو رپورٹ پیش کرنے کے لیے حوصلہ ناپید۔ ان کا رعب اور دبدبہ تو اچھے اچھوں کو موم کرنے کے لئے کافی تھا۔ دل پر عجیب خوف اور ہاتھوں پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا کہ ان کے سامنے لکھے ہوئے جملے بھی پڑھ پاؤں گی کہ نہیں۔ گویا دل عجیب سرشاری سے بھرا تھا کہ ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگا۔ مگر خوف اس سرشاری پر غالب آ آجاتا تھا۔

بالآخر مطلوبہ وقت مطلوبہ جگہ پر ہم دورکنی وفد کی صورت میں قیمہ کی قیادت میں پہنچ گئے۔ 11 بجے کا ہمیں وقت دیا گیا تھا 11:30 بج گئے۔ ایک درمیانہ سا کمرہ تھا جس میں میز کے گرد چھ کرسیاں رکھی تھیں۔ ہم دائیں ہاتھ کی جانب بیٹھ گئے۔ اور انتظار کا وہ ایک ایک لمحہ مجھے تو لگ رہا تھا کہ خون رگوں میں منجمد ہوگیا ہے۔ (حالانکہ

لوگ تو کہتے ہیں کہ فلاں موقع پر پسینے چھوٹ گئے )یوں لگ رہا تھا کہ نقطہ انجماد کے کسی سرد مقام پر ہوں۔ بولنے کی کوشش کروں تو حلق میں جیسے کانٹے پڑ گئے ہوں۔ یکدم پشت پر موجود دروازہ کھلا اور برق رفتاری سے قاضی صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور سامنے والی نشست پر بیٹھ گئے۔ سفید براق کپڑوں میں ملبوس سیاہ واسکٹ اور ٹوپی زیب تن گئے وہ اس صدی کے قائد ہمارے سامنے براجمان تھے۔ وہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قاضی صاحب (ان کو مرحوم لکھنے پر میرا قلم آمادہ ہے نہ دل میں اتنا حوصلہ )دیوار کے پیچھے دیکھنے کی صلاحیت سے مالا مال تھے، جس کو وژن کہیں یا بصیرت یا دوراندیشی۔ کس درجہ یہ صلاحیت انہیں قدرت نے عطا کی تھی اس کا اندازہ مجھے اس لمحے ہوگیا۔ نہ معلوم میرے اندر کے خوف، اضطراب، ان کی شخصیت سے مرعوبیت اور میری ناتوانی کے احساس کو انہوں نے لفظوں کی ادائیگی سے پہلے کیسے بھانپ لیا۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز ہی اس طرح کیا کہ" امیر جماعت بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ میں آپ کا باپ ہوں مجھے خوشی ہوگی آپ کی کارکردگی جان کر۔ ہم غیر رسمی ماحول میں تبادلہ خیالات کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔" ان لمحوں کی وہ کیفیت، ایسے میں ان کی زبان سے ان لفظوں کا ادا ہونا، یوں لگا منوں بوجھ لمحوں میں سرک گیا۔ آنکھوں کے آگے آئی دھند صاف ہوگئی۔

انگلیوں کی پوریں جو گویا فریز ہوگئی تھیں یکدم حرات پاکر پگھل گئیں۔ بے ترتیب دل کی دھڑکنیں اور مشکل میں پڑا ہوا نظام تنفس یکدم بحال ہوگیا۔ فضا کا سارا بوجھل پن رخصت ہوگیا۔ انہوں نے پوری یکسوئی سے رپورٹ سنی۔ میز پر لکھنے کو ان کے لئے کچھ موجود نہ تھا۔ انہوں نے پر رکھے ہوئے لیٹر پیڈ کی طرف دیکھا۔ ان کی متلاشی نظروں کو بھانپ کر میں نے جلدی سے وہ رائٹنگ پیڈ ان کی سمت بڑھا دیا۔ انہوں نے میز ایک صفحہ اس میں سے الگ کر کے اپنے سامنے رکھا اور دوران گفتگو ساتھ ساتھ اس صفحے پر کچھ تحریر کرتے رہے۔

ہاں آغاز گفتگو میں انہوں نے دیر میں آنے کی معذرت کی اور اس کی وجہ بیان کی کہ نشست ان کی خواہش کے برعکس طول پکڑ گئی تھی۔ حالانکہ انہوں نے بار بار احساس دلایا کہ خواتین ان کا انتظار کر رہی ہیں۔

یکدم کمرے میں نعمت اللہ خان صاحب داخل ہوئے۔ اور ان سے قبل ایک اور صاحب جنہوں نے سرگوشی میں ان سے کچھ گفتگو کی۔ لیکن نعمت اللہ صاحب نے سرگوشی نہیں بلکہ کچھ اس طرح کہا کہ ہم بھی سن لیں کہ دوسری میٹنگ کے شرکاء منتظر ہیں۔ صحافی بھی آئے ہوئے ہیں لہٰذا وہ اس نشست کا اختتام کر دیں۔ لیکن سب کچھ سن کر وہ پرسکون رہے اور گویا ہوئے کہ جب تک خواتین کی بات مکمل نہیں ہوجاتی وہ نہیں اٹھ سکتے۔ پھر شکایتی لہجے مں بولے کہ" پہلے بھی ہماری بہنوں کو آپ نے انتظار کرایا اب بھی عجلت آپ کی طرف سے!" ایسا تو نہیں تھا کہ ہمیں امیر جماعت کے وقت کی

قدر و قیمت کا احساس ہی نہ تھا یا گفتگو ہی بہت طویل تھی ہماری۔ انہوں نے کلمہ ہائے تحسین فرمائے اجر کی دعا کی اور پھر خود ہی بہت دردمندی اور اپنائیت سے حالات حاضرہ کی بات چھیڑ دی۔ کہ یہ وقت ہماری ترجیحات کے تعین کا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنے پیغام کی حقانیت کو سامنے لانے کے لیے اپنے تمام تر ذرائع اور وسائل سے کام لینا ہوگا۔ وہ بولے آپ کی مشکلات اور ضرورتوں کا بھی اندازہ ہوا ہے۔ میں نے کچھ باتیں نوٹ کر لی ہیں۔ہمیں خواتین کو سہولیات فراہم کرنا چاہئیں۔ میں مزید ہدایات دوں گا ذمہ داران کو۔''

وہ پرچہ تہہ کر کے انہوں نے واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ہم خود اندازہ کر رہے تھے ان کی وقت کی قدر کا۔ اس پر عائشہ منور نے ان سے کہا کہ ہماری بات تو مکمل ہوگئی ہے اور آپ کا بھی انتظار ہو رہا ہے۔وہ بولے نہیں، میں حاضر ہوں اگر آپ لوگ مزید کچھ بات کرنا چاہیں۔ جس پر ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور دروازے پر موجود تین، چار لوگوں کی معیت میں وہ کمرے سے نکل کر السلام علیکم کہتے ہوئے دوسرے کمرے کی جانب انتہائی تیزی سے بڑھ گئے۔

آج جب ہر کالم نگار، ہر ٹی وی کا میزبان ان سے اپنے ذاتی تعلقات اور ذاتی محبت کی بات کر رہا ہے اور سب ان کی جدائی کو اپنا ''ذاتی نقصان'' قرار دے رہے ہیں تو سوچ رہی ہوں کہ یوں ہی تو کوئی ''عزیز جہاں''نہیں بن جایا کرتا۔ کہ ان کے اشارے پر نوجوان خوشی خوشی جوق در جوق میدانِ جہاد کا رخ کرنے لگے۔ یوں ہی تو نہیں جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر سوگ کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔قرطبہ میں اجتماع عام کے موقع پر بیگم قاضی سے ملاقات ہوئی تو بولیں''اپنی صحت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، رات کو دن بنا دیتے ہیں، خود بھی آرام سے نہیں بیٹھتے نہ دوسروں کو بیٹھنے دیتے ہیں۔'' زیرلب تبسم کے ساتھ انہوں نے یہ بات کہہ کر ان کی صحت کے لئے دعا کی درخواست کی۔حقیقت یہی ہے کہ وہ انقلاب کا استعارہ تھے۔لفظ انقلاب کی تفہیم ہم اپنی آئندہ نسلوں کو دینا چاہیں گے تو اس کے لئے ایک ہی نام ''قاضی حسین احمد'' کافی ہوگا۔حافظِ اقبال نہیں تھے بلکہ اقبال کے اشعار کی زندہ تفسیر تھے۔ ایک سمت ڈوب کر فوراً دوسری سمت ابھرنے والی وہ عقابی شخصیت جو مثلِ خورشید زندگی جی کر گئی، اب ہمارے درمیان نہیں ہے۔یوں لگتا ہے ایک Reminder انکے اندر نصب ہے جو سفر کے اختتام سے قبل ہی اٹھتا ہے کہ

ایک اور سفر کے لئے لوٹ آؤ سفر سے

مگر اب کی بار! وہ ایسے سفر پر گئے ہیں کہ اب نہیں پلٹنے والے۔موت کے آئینے نے انہیں رخ دوست جو دکھا دیا ہے۔ہاں ان کی روح بے چین رہے گی۔اپنے ادھورے کاموں کی تکمیل تک۔ان کی جدائی نے ہمیں بھی امامت کی حقیقت بڑی حد تک سمجھا دی ہے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق

جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں دکھا کر رخ دوست

زندگی تیرے لئے اور بھی دشوا رکرے

اللّٰھم غفرلہٗ وارحمۃ واعف عنہ

وادخلہ الجنۃ یاارحم الراحمین۔

آمین، ربناآمین۔

☆☆☆

پروفیسر الیف الدین ترابی

# عالمی اسلامی تحریکوں کے ممتاز قائد

قاضی حسین احمدؒ کی عظیم دینی اور ملی خدمات کا تذکرہ نامکمل رہے گا، اگر ہم اس میں قاضی حسین احمد کے عالمی تحریکوں میں مقام اور اس حوالے سے ان کے کردار کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ قاضی حسین احمدؒ کی ایک عظم تحریک جماعت اسلامی کے سربراہ کی حیثیت سے عالمی قائدین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، لیکن ذاتی حیثیت میں بھی ان کا ان تحریکوں کے قائدین میں ایک ممتاز مقام تھا، جس کا اندازہ صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جسے قاضیؒ صاحب کے ہمراہ عالمی اسلامی تحریکوں کے زیر اہتمام مختلف عالمی کانفرنسوں میں شرکت کی سعادت حاصل رہی ہو۔ ان عالمی اسلامی کانفرنسوں میں قاضی صاحب کو ہمیشہ مہمان خصوصی کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔

قاضیؒ صاحب ان کے بانی ممبران آف ٹرسٹیز میں سے تھے۔ اس فاؤنڈیشن کے سربراہ عالم اسلامی کے ممتاز مفکر اور سکالر علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی ہیں۔ مجھے اس مجلس کی جنرل کونسل کا رکن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ میں نے اس عالمی تنظیم کے اجلاسوں میں بھی ہمیشہ قاضیؒ صاحب کے خصوصی احترام و مقام کا مشاہدہ کیا ہے۔

اسی طرح مجھے ایک بار سوڈان میں بھی قاضی صاحب کے ہمراہ ایک عالمی اسلامی کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کانفرنس میں سوڈان اسلامی تحریک کے رہنما ڈاکٹر حسن ترابی اور سوڈانی صدر عمر بشیر کی طرح قاضیؒ صاحب کو بھی خصوصی پروٹوکول حاصل تھا۔

مجھے قاضیؒ صاحب کے ہمراہ ترکی کی سعادت پارٹی کے زیر اہتمام سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں استنبول کی فتح کے سلسلے میں منعقدہ ایک کانفرنس میں شرکت کی سعادت بھی حاصل رہی ہے۔ قاضیؒ صاحب اس کانفرنس میں مہمان خصوصی کی حیثیت حاصل تھی۔

عالمی اسلامی تحریکوں کے قائدین میں قاضیؒ صاحب کے مقام و مرتبے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب کہیں دنیا میں مختلف عالمی اسلامی تحریکوں کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہوتا رہا ہے تو اس سلسلے میں ثالثی کے لیے ہمیشہ قاضی صاحب کی طرف رجوع کیا جاتا رہا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے جب سوڈان میں وہاں کی اسلامی تحریک کے دو راہنماؤں ڈاکٹر حسن ترابی اور صدر عمر بشیر کے درمیان اختلاف

پیدا ہوا تو اس وقت ثالثی کے لیے محترم قاضیؒ صاحب کو دعوت دی گئی۔

جب ترکی میں ملی سلامت پارٹی کے بانی سربراہ پروفیسر نجم الدین اربکان مرحوم اور موجودہ وزیراعظم رجب طیب اردگان کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو اس سلسلے میں بھی ثالثی کے لیے قاضیؒ صاحب کو زحمت دی گئی۔

جب افغانستان میں گلبدین حکمت یار اور پروفیسر برہان الدین ربانی کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا تو اس موقع پر بھی قاضی صاحب کو دونوں کے درمیان ثالثی کے لیے تکلیف دی گئی۔

**عالمی اسلامی تحریکوں کے قائدین کی طرف سے وفات پر خراج عقیدت**

عالمی اسلامی تحریکوں کے قائدین قاضی صاحب کے خصوصی مقام و مرتبہ کا کچھ اندازہ ان تعزیتی پیغامات سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو ان کی وفات کے موقع پر عالمی اسلامی تحریکوں کے مختلف قائدین نے دیئے۔ ان میں اخوان المسلمین کے مرشد عام جناب ڈاکٹر محمد بدیع، ترک وزیراعظم طیب اردگان، انٹرنیشنل یونین آف مسلم سکالرز کے سربراہ علامہ یوسف القرضاوی، اخوان المسلمون اردن کے سربراہ ڈاکٹر ہمام سعید، سوڈان کے صدر عمر بشیر، نائب صدر علی عثمان، سوڈان کی تحریک اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر حسن ترابی، افغانستان کی حزب اسلامی کے سربراہ گلبدین حکمت یار، حماس کے سربراہ خالد مشعل، فلسطین کے صدر محمود عباس، تحریک آزادی کشمیر کے قائد سید علی گیلانی، ایران سے آیت اللہ محسن الاراکی، امیر جماعت اسلامی ہند مولانا جلال الدین عمری، جماعت اسلامی سری لنکا کے امیر رشید حج الکبر، یورپی مسلم کونسل کے صدر میاں عبدالحق قابل ذکر ہیں۔

ترک وزیراعظم طیب اردگان نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ پاکستان کے لیے ان کی خدمات اور پاک ترک دوستی مضبوط کرنے کے لیے ان کا کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، قائم مقام ترک سفیر سلیمان سوہا نے منصورہ میں امیر جماعت اسلامی سید منور حسن کو ترک وزیراعظم کا تعزیتی خط پہنچایا۔

مصر کی حکمران جماعت اور دنیائے اسلام کی مشہور اسلامی تحریک اخوان المسلمون کے مرشد عام ڈاکٹر محمد بدیع نے اپنے تعزیتی پیغام میں جماعت اسلامی پاکستان اور قاضی حسین احمد کے اہل خانہ نیز عزیز و اقارب سے تعزیت کرتے ہوئے کہا:

''ہم عظیم مجاہد قاضی حسین احمد کی وفات پر جماعت اسلامی پاکستان اور قاضی حسین احمد کے اہل خانہ نیز پاکستانی بھائیوں سے دل کی گہرائیوں سے تعزیت کرتے ہیں۔ قاضی صاحب نے دعوت و جہاد اور اسلام کی عظمت و سربلندی نیز مسلم امہ کو درپیش مسائل کے حل کے حوالے سے جو عظیم کوششیں کی ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کوششوں کو

قبول فرمائے اور قاضی صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔''

انٹرنیشنل یونین آف مسلم سکالرز کے سربراہ عظیم اسلامی مفکر علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا:

''ہمیں قاضی حسین احمد کی وفات کی خبر سن کر بے پناہ صدمہ ہوا ہے۔ قاضی حسین احمد کا شمار مسلم امہ کے ممتاز قائدین میں ہوتا ہے وہ انٹرنیشنل یونین آف مسلم سکالرز کی مجلس تاسیسی کے ممتاز رکن تھے ہم ان کی وفات پر جماعت اسلامی پاکستان اور ان کے اہل خانہ نیز عزیز واقارب سے دل کی گہرائیوں سے تعزیت کرتے ہیں۔ قاضی حسین احمد پانچ بار سے زیادہ عرصہ تک عالم اسلام کی عظیم اسلام تحریک جماعت اسلامی کے، جس کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تھے، سربراہ رہے ہیں، اور وہ پاکستان کی پارلیمنٹ اور سینٹ کے بھی رکن رہے ہیں۔ قاضی صاحب عالم اسلام کو درپیش مسائل خصوصاً مسئلہ فلسطین، مسئلہ کشمیر، مسئلہ شیشان اور برما کے مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے پوری زندگی مصروف جہاد رہے ہیں۔ قاضی صاحب کی وفات کی صورت میں مسلم امہ ایک ایسے قائد، عظیم راہنما سے محروم ہوگئی ہے جو ہمیشہ اور ہر پلیٹ فارم پر کلمۂ حق کہتا تھا۔ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راہ حق میں ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ نیز جماعت اسلامی کے کارکنوں اور قاضی صاحب کے اہل خانہ اور عزیز واقارب کو صبر وجمیل عطا فرمائے۔''

سعودی عرب کی اسلامی تحریک کے راہنما ڈاکٹر عوض بن محمد القرنی نے قاضی صاحب کی وفات پر اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ:

''قاضی حسین احمد پوری مسلم امہ کے راہنما تھے، جن کی وفات سے ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راہ حق میں ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور مسلم امہ میں ان کا کوئی ایسا نعم البدل پیدا کرے جو اس عظیم خلاء کو پورا کرے۔''

کشمیری راہنما سید علی گیلانی، میر واعظ عمر فاروق اور دیگر نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ قاضی حسین احمد کا انتقال امت مسلمہ اور پاکستانی قوم کے لیے بڑا نقصان ہے۔ سابق امیر جماعت اسلامی دینی قوتوں کے اتحاد کی علامت تھے، امہ کو ہر مشکل وقت میں ان کی یاد آتی رہے گی۔

کل جماعتی حریت کانفرنس کے راہنماؤں نے جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر قاضی حسین احمد کے انتقال پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔ جبکہ سید علی گیلانی نے اعلان کیا ہے کہ سفری دستاویزات فراہم ہونے کی صورت میں مرحوم کے اہل خانہ اور دیگر لواحقین سے اظہار تعزیت کرنے کے لیے پاکستان جائیں گے۔

انہوں نے کہا کہ مولانا مودودیؒ کے بعد قاضی حسین احمد ہی جماعت اسلامی پاکستان کے ایسے قائد تھے جنہوں نے مملکت خداداد پاکستان میں اسلام کے انقلابی تصور کو عام کرنے کے لیے انتھک محنت کی۔ان کے سینے میں پوری ملت کا درد چھپا ہوا تھا۔انہوں نے کہا کہ میں نے حج کے موقع پر مرحوم کے ساتھ متعدد ملاقاتیں کیں اور ان کو کشمیریوں کی حالت زار پر تڑپتا ہوا پایا۔وہ کشمیر کاز کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور انہوں نے اس کے لیے اندرون اور بیرون ملک ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔

انہوں نے کہا کہ قاضی صاحب کی رحلت پوری کشمیری قوم کے لیے بھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ادھر تحریک حریت کے صدر دفاتر پر واقع حیدر پورہ میں قائم مقام چیئرمین محمد اشرف صحرائی کی زیر صدارت ایک ہنگامی تعزیتی اجلاس بلایا گیا جس میں تحریک حریت کے کئی زعماؤں نے شرکت کی۔اجلاس میں مرحوم قاضی حسین احمد کی تحریک اسلامی اور کشمیریوں کی تحریک آزاد کے تئیں خدمات کو یاد کیا گیا اور انہیں شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا۔

اجلاس میں مرحوم کے لیے اجتماعی فاتحہ خوانی کی گئی اور ان کے لواحقین کے ساتھ تعزیت بھی کی گئی۔ ادھر حریت کانفرنس ''ع'' کے چیئرمین میر واعظ ڈاکٹر مولوی محمد عمر فاروق نے جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر قاضی حسین احمد کے انتقال پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔

اپنے تعزیتی بیان میں حریت چیئرمین نے کہا کہ قاضی حسین احمد کی اچانک وفات کی خبر سن کر میں سکتے میں آ گیا ہوں اور موصوف کی وفات سے مجھے ذاتی طور پر صدمہ پہنچا ہے۔

میر واعظ نے قاضی حسین احمد کی پاکستانی عوام کی طویل دینی وملی اور سیاسی خدمات اور خاص طور پر دیرینہ مسئلہ کشمیر کے تعلق سے واضح اور غیر مبہم موقف اور کشمیریوں کے حق وانصاف پر مبنی حق خودارادیت کی جدوجہد کی پرزور حمایت پر قاضی حسین احمد کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ قاضی حسین احمد سے میری براہ راست ملاقات تھی اور ان کی دینداری اور اصول پسندی سے میں بے حد متاثر تھا اور مرحوم میرے ساتھ بے حد شفقت فرماتے تھے۔حریت چیئرمین نے کہا کہ قاضی صاحب کے انتقال سے پاکستانی عوام اور ملت اسلامیہ ایک بیدار مغز قائد سے محروم ہوگئی ہے۔

دریں اثناء مقبوضہ وادی کے مختلف علاقوں میں جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں حریت راہنماؤں سمیت بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔

ورلڈ اسلامک آرگنائزیشن کے وفد نے شیخ مظہر شفیع کی زیر قیادت اور پنجاب پریس کونسل کے صدر محمد یامین صدیقی کے ہمراہ ایک اعلیٰ سطحی وفد نے منصورہ

میں امیر جماعت اسلامی سید منور حسن اور سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ سے قاضی حسین احمد کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ قاضی حسین احمد کی ملک وملت کے لیے خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی۔

اسلامی جمہوریہ ایران کے وزیر خارجہ علی اکبر صالحی نے قاضی حسین احمد کے انتقال پر ایک پیغام میں پاکستانی عوام اور حکومت کو تعزیت پیش کی ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے۔ ایرانی وزیر خارجہ نے پیغام میں کہا کہ قاضی حسین احمد بزرگ عالم دین اور آگاہ سیاستدان تھے جنہوں نے شیعہ وسنی مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ قاضی حسین احمد پوری عمر اتحاد بین المسلمین کے لیے کام کرتے رہے اور اسلام اور امت کی سربلندی کی راہ میں کبھی بھی کسی دھمکی اور دہشت گردی سے نہیں ڈرے بلکہ اتحاد اسلامی کی راہ میں ہمیشہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

☆☆☆

# اس کی یادوں کا شجر روشن ہے!

وہ ستارہ تھا، کہکشاں بنا اور نہ جانے کتنے آفاق اس سے جگمگانے لگے!
وہ لہر تھا، سمندر بنا اور کائنات کی بے کراں وسعتوں میں گم ہو گیا!
اس کی روح بے قرار تھی، اور زندگی فانی
وہ فنا کی دنیا سے بقا کے عالم کی طرف روانہ ہو گیا!
وہ حقیقت تھا، خواب بنا اور آنکھوں کو بے خواب کر گیا!
وہ خواب دیکھتا اور دکھاتا تھا ''ہم افغانستان کے راستے وسطی ایشیا تک پہنچیں گے!''
اور خوابوں کو تعبیر میں ڈھالنے کا فن سکھاتا تھا!
جہد مسلسل دھول بن کر اس کے پیروں سے لپٹی رہی
نصف صدی تک بے ہنروں کے شہر میں
آشنائی کا ہنر بانٹتا رہا
صحرا کو گلزار بنانے میں دن رات ایک کرتا رہا
مقصد، لگن، جہد مسلسل، امید، یقین، عزم، حوصلہ
اس نے چراغ ہی چراغ جلائے
وہ قرآن کی دنیا کا انسان تھا
وہ مٹی کی دنیا میں، روح کی دنیا کی بات کرتا تھا
وہ محمد ﷺ کی خاک پائے مبارک سے
مشت بھر کر مدینہ سی بستی بسانا چاہتا تھا
زمین کو جنت بنانے کا خواہشمند تھا
جہاں امن ہو، خوشیاں ہوں، پھول ہوں، ستارے ہوں، ابر ہو!
ہزاروں دل گرفتہ ہیں
ہزاروں آنکھیں ہیں کہ ان کی نمی کم نہیں ہوتی
جسے گفتگو کرنے کے سلیقے آتے تھے
جسے دل لبھانے کے طریقے آتے تھے
وہ اس قافلے کا مسافر تھا
جو ازل سے رب کریم نے صالح انسانوں کے لیے تشکیل دیا ہے
وہ لوگ جو اپنے رب کو ہی رب مانتے ہیں
اور اس رب کو سب کا رب بنانا چاہتے ہیں
وہ قافلہ جس کے مسافر
پکار پکار کر اطیعو اللہ و اطیعوالرّسول اللہ کی صدا بلند کرتے ہیں
جو اپنی متاعِ زندگی اس ایک کام میں لٹا دیتے ہیں!
بہت سے ناممکن اس نے ممکن بنائے
کارواں ترتیب دیے، عزیمت کی داستانیں لکھیں، محبت کی شمعیں جلائیں

دعوت کے چراغ روشن کیے۔ اس کی معیت میں
تحریک کی دنیا کے انداز بدل گئے
نئے ترانے لکھے گئے، نئی تاریخ رقم ہوئی
جو کچھ کتابوں میں لکھا تھا اس نے حرف کو معنوں کے روپ میں ڈھالا!
جذبوں کو قدر و قیمت دی، پہاڑوں پر چڑھا اور فتح و کامرانی کا وقار سمیٹا۔
اس کی یادوں کا شجر روشن ہے!
اجنبیوں کو دوست بنایا۔ مختلف راستوں کو ملا کر شاہراہ میں ڈھالا۔ سب کو لے کر چلا، مجلس بنائی، تخت سجایا، تخت پر فقیری کے نمونے دکھائے۔ تحریک اسلامی کو کامیابی کے مفہوم سے آشنا کیا اور دامن جھاڑ کر فقر کی چادر اوڑھ کر درویشوں میں آ بیٹھا
اس کی یادوں کا شجر روشن ہے!
تحریک اسلامی ایک امانت ہے۔ خلوص کی بنیادوں پر رکھی اک عمارت ہے۔ یہ پچھلوں کا ترکہ ہے اور اگلوں کا ورثہ ہے۔ تحریک اسلامی ایک خواب تھی جو چند آنکھوں نے یقین کی روشنی میں دیکھا تھا اور اپنی زندگی کے تیل سے اس کے چراغ کی لو تیز کر رکھی تھی اور پچاس سالوں کا سفر طے کر کے جب یہ اکیسویں صدی میں داخل ہوئی تو چیلنج مختلف تھے۔ جس تحریک کا سرمایہ اس کا لٹریچر تھا اب عملی دنیا کا حصہ بننے جا رہی تھی۔ وقت کا تقاضا تھا کہ اسے سب کی تحریک بنایا جائے۔ اسے ہر گھر اور ہر دہلیز تک پہنچایا جائے کہ طلب گاروں کی طلب اب اسلام ہے۔ اسلام کی عالمگیریت ہے۔ اس کا معاشی، تہذیبی اور معاشرتی نظام ہے۔ بات اب قلم اور تحریر سے آگے کی ہے۔ خواب کو حقیقت میں ڈھالنے کی ہے۔ اور ہر جگہ عمل کی دنیا کی رہبری کی ہے۔

مولانا مودودیؒ کے قافلے میں شامل جن پر خلوص ہستیوں نے اسلام کے لیے جدوجہد اور پاکستان کو جنت ارضی بنانے کی کوششیں کیں وہ ایک طویل فہرست ہے۔ چودھری احمد خان، ڈاکٹر نذیر احمد، نعیم صدیقی، طفیل محمد، اسعد گیلانی...... اور بہت سارے! اللہ اپنے بندوں کا سب سے بڑھ کر قدردان ہے۔ یہ تو بس گواہی ہے۔ عاجز اور گناہ گار بندوں کی گواہی! یہ اس محبت کی گواہی ہے جو اللہ کریم فرشتوں کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں ڈلواتا ہے۔ اپنے بزرگوں پر لکھنا، اپنے قائدین کے نقوش قدم کو ابھارنا اعزاز کی بات ہے۔ لکھنے والوں نے بہت لکھا۔ مختلف پہلوؤں سے لکھا کہ زندگی کے رنگ بے شمار ہیں۔

ایک گواہی جو دل کرتا ہے دوں کہ اس تحریک کا سرمایہ تحریر تھی، علم تھا، دانش تھی، لٹریچر تھا اور یہ ہر صاحب علم کو متاثر کرتی تھی۔ انھیں تبدیل کرتی تھی۔ قاضی صاحب نے اسے ہر دل کی آواز بنا دیا۔ ہر دل میں یہ چراغ جلا دیا۔ اجتماع عام ہو یا ملین مارچ! یہ ایک فرد کی نہیں پورے گھرانہ اور خاندان کی تحریک

بن گئی۔ اجنبیت کی دیواریں گریں اور فیصل مسجد ہو یا مینارِ پاکستان، دونوں ہی خاندانوں کے قافلوں سے بھر گئے۔ کاروانِ دعوت و عزیمت کا استقبال ہو، انسانی ہاتھوں کی زنجیر ہو یا فیصل مسجد اور مینارِ پاکستان پر لاکھوں کے اجتماعات! جماعت اسلامی سارے گھر کی جماعت بنی۔ ہر فرد نے اسے own کیا، اسے اپنا جانا، اپنا بنایا۔ اب ایک فرد اجتماع میں نہیں جاتا تھا، گھر کے سارے افراد جاتے تھے۔ سب اس کے نظریے اور اس کے طریقے پر بحث کرتے تھے۔ اس کی کارروائیوں میں شریک ہوتے تھے اور بلاشبہ یہ قاضی صاحب کے حصے کی ایک بڑی کامیابی ہے۔

میرے کلینک پر قاری انوار صاحب کا پورا گھرانہ آتا ہے۔ ایک دن بچے بڑے تیار ہو کر آئے اور کہنے لگے کہ ''ہم ابا کے ساتھ ملین مارچ میں جا رہے ہیں......''

قاضی صاحب نے ابا کی جماعت اسلامی کو بچوں کی جماعت اسلامی بنا دیا۔

☆☆☆

# خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی

قاضی حسین احمد کی رخصتی کی خبر کیا تھی، تیر تھا جو ہر دل کو زخمی کر گیا۔ پاکستانی سیاست کی ایسی متحرک اور زیرک شخصیت جس کی جدائی میں اپنے تو اپنے غیر بھی تڑپ گئے۔ کوئی محرومی سی محرومی تھی! دل آمادہ نہ تھا اس خبر کو مان لینے کے لیے لیکن کسی کے دل کی آمادگی سے کیا سروکار......اس دل کو جو ملاقات کے شوق میں ہر لمحہ سیماب پا رہتا تھا۔ دل کے مریض تھے لیکن دلداری کا ایسا بانکپن پایا تھا کہ بچے ہوں یا بوڑھے ہوں کہ جوان سب ہی ایک ایسا دلی تعلق محسوس کرتے تھے جس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ نوجوان تو تھے ہی ان کے دل وجگر کے ٹکڑے، ان کی معرکہ آرائی اور آبلہ پائی کے ایسے اسیر کہ ہر نوجوان کے منہ سے بے ساختہ و بے اختیار نکلتا تھا ''ہم بیٹے کس کے......قاضی کے''

بلاشبہ سمیحہ راحیل کے بھائی دو نہیں ان گنت ہیں اور بہنیں بھی ان گنت......سمجھ میں نہیں آتا کہ سمیحہ سے تعزیت کیسے کی جائے کہ ہر بیٹی اور ہر بیٹے کو اپنے بابا کی جدائی کا قلق ہے۔

دل افسردہ ہے اور آنکھیں نمناک......سب ہی آنسوؤں کے ہار لئے مناجات کے تحفوں کے ساتھ رب کے حضور گواہی کے لیے تیار......کہ انہوں نے کسی لمحہ بھی مقصدِ زندگی کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ ہر آزمائش میں سرخرو نکلے۔ بہتر تبدیلی کے لیے مضطرب رہے۔ اس راہ میں دھرنے دیئے، لانگ مارچ کیے، لاٹھیاں کھائیں، شدید ترین شیلنگ میں کسی بنکر اور کنٹینر کی پناہ نہ لی۔ دل کی بیماری اور پھر دمہ لیکن کوئی استثنیٰ نہیں کارکنوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ان کے ساتھ ساتھ رہے، پل بھر کو بھی تیار نہ تھے کہ اقتدار کے کسی سایہ دار شجر تلے آرام کیا جائے۔ قومی اسمبلی اور سینٹ کے ممبر رہے لیکن ہے کوئی مائی کا لعل جوان پر کرپشن کے الزام کی چھینٹ بھی ڈال پائے۔ یقیناً جس گروہ اور جس جماعت سے ان کا تعلق تھا وہاں یہ بات معمول کی بات ہے مگر پاکستان کی سیاست کے لیے بہر حال غیر معمولی ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ ''جماعت کے کارکنوں کا فرض ہے کہ اپنی دعوت ہر فرد تک پہنچائیں۔ اس کے لیے صرف زبانی تلقین کافی نہیں بلکہ کارکنوں کو خود اس دعوت کا عملی نمونہ بن جانا اس دعوت کو عام کرنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔''

اور سب سے پہلے خود انہوں نے عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ وہ پاکیزہ، بے داغ کردار، بہادری اور جرأت کا

پیکر تھے۔لوگوں کومحبت واخوت کا درس دیتے تھےتو خود محبت کا بے پایاں سمندر تھے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔آج آپ کے مخالف بھی آپ کے بلند اخلاق وکردار کی گواہی دیتے ہیں۔خصوصیت سے نوجوان سے محبت تھی۔ نوجوان بھی آپ کے دلدادہ تھے۔ان کی محبت میں نوجوان بڑے پر جوش انداز میں نعرے لگایا کرتے تھے۔جن کوسن کر جوش کی فضا پیدا ہوجاتی تھی۔ جلسہ کے بعد یہ جوش ختم نہیں ہوتا بلکہ قاضی صاحب کی پرجوش تقریروں کے ذریعے نوجوانوں کے دلوں میں منتقل ہوجاتا۔نوجوانوں کو ہر اول دستہ سمجھتے۔ کہتے تھے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اگر روشنی کی کوئی کرن موجود ہے اور ملک وقوم کوسہارا دینے کی صلاحیت کہیں نظر آتی ہےتو وہ ہمارے نوجوان ہیں۔ انہوں نے سرمایہ داروں، جاگیرداروں، جرنیلوں، سیاست دانوں اور افسر شاہی ہر ایک کے خلاف آواز اٹھائی۔

اتحادِامت کی آرزو ایسی تھی کہ ہرلحہ آبلہ پائی کے لیے تیار رہتے تھے۔ان کا دردِدل بھی انہیں فارغ نہ بٹھاتا۔ ہر مسلک اور فرقے کے دروازے پر خود چل کر گئے اور اختلافات کے خاتمے کی کوششیں کیں۔ لہٰذا نتائج نکلے۔فرقہ واریت،فسادات ختم ہوئے۔فرقوں کے درمیان محبت کا تعلق پیدا ہوا۔ان کی خواہش تھی کہ شدت پسندی کا خاتمہ ہواور اسلام کا روشن چہرہ سامنے آئے۔ان کی کوششوں کے نتیجے میں ملی یکجہتی کونسل کی تشکیل ہوئی۔عالمی سطح پر آپ کوامت مسلمہ کا بے باک اور نڈر قائد مانا جاتا تھا۔ عالمی سطح پر بھی انہوں نے اسلامی تحریکوں میں اختلافات ختم کرنے کی مسلسل کوششیں کیں، بعض مقامات پر اسلامی تحریکوں اور اسلامی تحریک کے بانی ڈاکٹرحسن ترابی اور صدر مملکت جنرل عمرالبشیر کے درمیان صلح کا معاہدہ کرایا۔ دنیا بھر میں مسلم امہ کے خلاف ہونے والے مظالم پر آواز اٹھائی۔فلسطین،عراق،کویت،بوسنیا،کوسوا،چیچنیا، برما اریٹریا...... جہاں کہیں مسلمان مصائب میں نظر آئے، ان کی کے لیے کام کیا۔

افغان جہاد کا اس وقت ساتھ دیا جب اس کے لیے بولنا آسان نہ تھا۔ غیر یقین نہیں کرتے تھے اور اپنے طعنے دیتے نہ تھکتے تھے۔ اس کے بعد سے آج تک افغانستان کا ہرلیڈر آپ کوعزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ افغان جہاد کو خانہ جنگی میں بدلتے دیکھ کر آپ نے تمام افغان لیڈروں کو ایک میز پر بٹھایا اور پشاور امن معاہدہ کرایا لیکن کیا کرتے کہ جب اپنے ہی کشتی کوڈبونے میں لگے تھے۔

آزادی کشمیر کے لیے ان کی کوششوں کو کشمیری عوام کبھی بھلانہ پائیں گے۔انہوں نے پوری قوت کے ساتھ کشمیر کا مسئلہ عالم اسلام اور پوری دنیا کے سامنے رکھا۔فلسطینیوں کی تحریکِ مزاحمت کے لیے آواز اٹھائی۔حماس کے راہنماؤں کے ساتھ ان کے برادرانہ تعلقات تھے۔

قومی اور عالمی سطح پر مسلمانوں کا اتحاد ان کا خواب تھا۔ محض ایک سال قبل ملت کی یکجائی کے لیے ایک شاندار اور پروقار بین الاقوامی کانفرنس اسلام آباد میں منعقد کی جس میں عالم اسلام کے راہنماؤں نے شرکت کی۔

پشتو مادری زبان تھی لیکن اس کے علاوہ اردو ،انگریزی،عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اقبالؔ کے اردو اور فارسی کے اشعار اور عربی کے محاورے برمحل استعمال کر کے سامعین کو گرماتے۔ حق گوئی کی پاداش میں جیل کاٹی۔ دل کے مریض تھے لیکن سڑکوں پر لاٹھی چارج اور جیل کی سلاخوں سے نہ ڈرے۔ تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران گرفتار ہوئے اور بعد میں افغانستان پر امریکی حملوں اور یورپ میں پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی پر مبنی خاکوں کے خلاف احتجاج کے دوران انہیں گرفتار کیا گیا۔ دوران گرفتاری قلم سے رشتہ پکا کیا۔ متعدد مقالے لکھے۔

اپنی تقریر میں کہتے تھے کہ ''ہر مسلمان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو جائے اور وہ اپنے رب کا سامنا ایسی صورت میں کرے کہ وہ اس سے راضی ہو۔ رب کی رضا اسی میں ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا جائے، نیکی کا حکم دیا جائے اور بدی سے روکا جائے۔''

جس کام کے لیے لوگوں سے کہتے تھے ساری عمر خود اس کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ یقیناً ان کا رب ان سے راضی ہوگا اور انہیں اپنی اعلیٰ ترین جنتوں کی مہمانی سے نوازے گا۔ (ان شاء اللہ)

☆☆☆

# لفافہ کہاں بھیجوں؟

''السلام علیکم! میرے پیارے والد قاضی حسین احمد صاحب کی طرف سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اس سے معافی کی خصوصی درخواست ہے۔ پلیز ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعا ضرور کریں۔ جزاک اللہ خیر!......سمیحہ راحیل قاضی''

یہ تھا وہ SMS جو قاضی صاحب کے انتقال کے تیس گھنٹے بعد اس وقت موصول ہوا جب کراچی کی خواتین تعزیتی جلسہ کے انتظامات میں مصروف تھیں۔ ابھی دس روز قبل ہی تو پروفیسر غفور جدا ہوئے تھے اور اب قاضی صاحب بھی اپنے رب سے ملاقات کو روانہ ہو گئے۔ لگتا ہے جماعت اسلامی کے کارکنان واقعی یتیم ہو گئے۔ آج کا تعزیتی جلسہ ایک دوسرے کا غم بانٹنے کے لیے تھا۔

سمیحہ راحیل سے پہلے ان کے بھائی کی طرف سے بھی اسی قسم کی درخواست آ چکی تھی سب کے لیے۔ یہ SMS پڑھ کر رکے ہوئے آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے! نہ جانے کیوں ٹھیک اسی وقت وصیت یعقوبؑ یاد آ گئی جو انھوں نے اپنی اولاد کو کی تھی۔ ''میرے بچو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔'' مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا۔ ''......بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟'' ان سب نے جواب دیا''......ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔''

سنت انبیاء کے پیروکار اپنی اولادوں کو اسی طرح وصیت کرتے ہیں اور یہ ہی کچھ اس بندہ خدا نے کیا جسے قاضی حسین احمد کے نام سے دنیا جانتی ہے! اس بات کی تصدیق سمیحہ راحیل کی آن لائن گفتگو سے ہوئی جو انھوں نے تعزیتی جلسے میں کی۔

''ابو نے سنت کے مطابق اپنے گھر سے تبلیغ کی ابتدا کی اور ہمیں تاکید کی جماعت سے چمٹے رہنے کی۔''

وہ کہہ رہی تھیں اور کراچی کی خواتین اشکبار آنکھوں سے یہ سب کچھ سن رہی تھیں۔ مقررین رندھے ہوئے لہجے میں بات کر رہی تھیں۔ اپنے قائدین کو خراجِ تحسین پیش کر رہی تھیں۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔

جماعت کے افراد ایک خاندان کی مانند ہی تو ہیں۔ ٹھیک کہا تھا دردانہ صدیقی نے! میرے برابر میں عائشہ بیٹھی تھی اور ہم دونوں مل کر ایک دوسرے سے تعزیت

کر رہے تھے۔ سوشل میڈیا ٹیم میں موجود اسریٰ نے مجھے آگے کی رو میں بیٹھا دیکھ کر اپنے پاس بلا لیا اور لیپ ٹاپ میرے آگے کر دیا۔ کام تو بہت آسان تھا میرے لیے! تمام مقررین کے جذبات کو الفاظ کے ایسے پیرائے میں ڈھالنا کہ لہروں پر سوار ہو کر یہ جملے ساری دنیا میں پھیل جائیں مگر میرے پاس الفاظ نہیں تھے! مجھے مناسب جملے نہیں مل رہے تھے اپنی بات پہنچانے کے لیے۔ ایسا ہی ہوتا ہے! اگر کسی گھر میں یکے بعد دیگرے کئی بزرگ عمر کی نقدی ختم کر کے واپس اپنی منزل پر پہنچ جائیں تو ان کی اولادیں الفاظ نہیں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتی ہیں۔ امڈتے آنسو الفاظ کو گڈ مڈ کر رہے تھے اور میں یقیناً اپنا کام بھرپور طریقے سے نہ کر سکی۔ صبر کے ساتھ......رب کی رضا میں ہم بھی راضی ہیں۔ لیکن اگر میں نے کچھ نہ کہا تو میرا دل پھڑ پھڑانا بند کر دے گا!

اس موقعے پر مجھے مدینہ یاد آ جاتا ہے۔ وہاں کیا صف ماتم بچھی ہوگی جب حضور ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے تھے۔ جبھی تو عمرؓ جیسا زیرک اور بہادر فرد بھی تلوار کھینچ کر کہہ اٹھا کہ اگر کسی نے یہ کہا تو میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔ محبت کا تقاضا فطری ہے مگر ابو بکرؓ کا طرز عمل بھی سامنے ہے۔ اس کی تصویر بننا ہے۔ بار امانت کو اٹھانا آسان نہیں مگر روحانی بیٹیاں مرحومین کی صلبی بیٹیوں کے ساتھ عہد کر رہی تھیں اپنے عظیم قائد کے مشن کو، جو کار نبوت کا ہی سلسلہ ہے، جاری رکھنے کا۔

عزمِ نو لے کر جلسہ گاہ سے باہر نکلے تو سورج ڈھل رہا تھا۔ کراچی کی پر ہجوم ٹریفک میں پھنسی خواتین اپنے گھروں کو لوٹ رہی تھیں۔ بیمار، بزرگ اور معصوم بچوں کے ہمراہ رکشہ، ٹیکسی کے انتظار میں پریشان خواتین یقیناً محبت اور عقیدت کے بل بوتے پر یہاں پہنچی تھیں۔ جب اس پروگرام کی اطلاع ملی تو میرا خیال تھا میں ایک آدھ ساتھی کے ساتھ جا سکوں گی کیونکہ چند گھنٹے کے مارجن پر کراچی میں ایسا پروگرام اٹینڈ کر لینا آسان نہیں ہوتا۔ مگر جذبات کے آگے ہر رکاوٹ ہیچ ہے، چنانچہ فون کی گھنٹیاں بجتی رہیں اور قافلے کا حجم بڑھتا گیا۔ مہرباجی اپنی لاٹھی کے ساتھ اپنے توانا جذبوں کے ساتھ سب سے آگے تھیں۔ ان جیسی درجنوں بلکہ سینکڑوں کارکنان ہوں گی جنھوں نے اس موقعے پر کسی عذر کو، کسی رکاوٹ کو قبول نہ کیا۔

میں تو اس تعزیتی جلسے میں ہی کھو گئی جبکہ مجھے قاضی صاحب اور پروفیسر غفور کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کرنا ہے وہ بھی بہت مختصر وقت کے اندر!

وہ رات جو ویک اینڈ کی تھی۔ پورے دن بلکہ ہفتے کی تھکاوٹ کے بعد میں بے خبر سو رہی تھی کہ رات کے کسی لمحے مستقل آنے والے میسجز کی آواز سے اٹھ ہی بیٹھی۔ دیکھا تو inbox فل تھا۔ گھڑی کی طرف نظر کی تو دو بجے تھے۔ یا اللہ خیر! سب سے پہلے جو میسج کھولا وہ محترم قاضی صاحب کی تدفین کا وقت اور جگہ بتا رہا تھا۔

یہ کیا مذاق ہے؟ دل بہت بوجھل ہوا پھر تو تصدیق ہو گئی۔ ٹی وی آن کیا تو ہر طرف یہ ہی موضوع تھا۔ **فادخلی فی عبادی**...... یہ ہی کہا ہوگا نا رب کائنات نے آپ سے! یہ تھی میری پہلی Tweet اپنے قائد کے لیے! میرا کیا تعلق ہے ان سے اور کب سے ہے؟ میں سوچ میں پڑ گئی۔

سب سے پہلے جو منظر یادوں کی اسکرین پر ابھرتا ہے وہ یونیورسٹی کا ہے۔ ۸۸ء کی بات ہے! میں اپنی لیب میں داخل ہوئی تو اہل تشیع سے تعلق رکھنے والی لیب انچارج نے مجھ پر نظر پڑتے ہی طنزاً کہا ''......وہ چل رہا ہے نا محبت کا کارواں!......'' میں چونک گئی۔ میں سمجھوں یا نہ سمجھوں لوگ تو میرا تعلق انہی سے جوڑتے ہیں۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جب میں نے پہلی دفعہ ان کو اپنا سمجھا اور ان کے ہجو میں کیا گیا تبصرہ قبول کیا۔ پھر ایک اور مکالمہ یاد آتا ہے جو ان کے کسی مخالف کی طرف سے نہیں بلکہ میری ایک ایسی ساتھی کی طرف سے آیا جنھیں خاندانی طور پر جماعتی ہونے پر بڑا فخر تھا ''...... قاضی صاحب نے اپنے بچوں کو باہر بھجوایا ہوا ہے اور یہاں لڑکوں کا مستقبل جہاد کی وجہ سے ......'' میں کسی ایسے تعلق کی دعویدار نہ تھی مگر پھر بھی ان کی صفائی پیش کرنے لگی اور کندھے اچکا کر بول پڑی ''So What? ہر فرد ہر جگہ تو نہیں کام کر سکتا۔'' یہ میری سوچ تھی جو میں زبان پر لے آئی! (یہ آج بھی ہوتا ہے کہ جماعت کے کارکنان اس کے ''بہی خواہوں'' کے مشوروں کی روشنی میں اپنے قائدین کے کردار کو دھندلانے لگتے ہیں۔ تنقید کر کر کے کمزور کرنے لگتے ہیں اور وہ بھی غیر متعلقہ افراد کے سامنے! اور یہ کسی دشمنی میں نہیں خیر خواہی میں ہی کرتے ہیں۔ شاید نادان دوستی اسی کا نام ہے!)

ایک ایسا لیڈر جو ہر دو طرف سے مخالفتیں سمیٹ رہا ہو اندر اور باہر دونوں جگہ معتوب ٹھہرے، کس طرح کی الجھن کا شکار ہو سکتا ہے، یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں مگر ایک اچھا قائد ہر طرح کا دباؤ لے کر بھی درست منزل پہ نہ صرف رواں دواں رہتا ہے بلکہ یکسوئی کے ساتھ اپنے ساتھ لوگوں کو لے کر چلتا رہتا ہے جبھی تو زمانہ رو رہا ہے کہ کیسے کیسے ہیرے پیوندِ خاک ہو گئے۔ عائشہ منور نے کتنی اہم بات کہی تھی، توجہ مبذول کروائی تھی کارکنان کو فخر اور اعتماد عطا کیا تھا یہ کہہ کر کہ اگر پروفیسر غفور اتنی جدوجہد نہ کرتے آئین کی تشکیل کے لیے تو ہمارے لیے اسلامی اقدار پر رہنا کس قدر دشوار ہوتا۔ یوں ہی تو ہر فرد ان دونوں قائدین کی موت پر ذاتی افسوس کا اظہار نہیں کر رہا۔ کارناموں کو نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں۔ قومی سطح کے کاموں میں دیانت اور شفافیت کا تاثر قائم کرنا بہت بڑے جگر کے بغیر ممکن ہی نہیں ورنہ بہت سے بڑے بڑے چہرے اور نام ذاتی اور وقتی گرداب میں پھنس کر وقار کھو بیٹھتے ہیں۔ دونوں ہی قائدین کا خلا بہت گہرا ہے۔ اب ہم اپنے بڑے بڑے اجتماعات میں پروفیسر غفور کی غیر موجودگی کو کتنا محسوس کریں گے؟ تبرکاً ہی سہی، صرف ان کا نام ہی حوصلے کا

باعث بن جاتا تھا۔

قاضی صاحب کو جتنا قریب سے دیکھتی گئی ان کے علم،تقویٰ اور سادگی سے اتنے ہی متاثر ہوتی گئی۔کس قدر متحرک اور فعال تھے وہ! بائی پاس اور قاتلانہ حملوں کے باوجود! borrowed life گزارنے کے باوجود کتنے پرجوش تھے وہ! ملی یکجہتی میں ان کا کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں لیکن میں تو ان کی اس سرگرمی کا ذکر کروں گی جس سے میں براہِ راست واقف تھی۔جی ہاں! میڈیا کی بڑھتی ہوئی بےحیائی پر اس کے خلاف عدالت میں جانا ا کونسل کا قیام،اوراس کے اجلاس میں شریک ہونا! باوجوداس کے کہ وہ میڈیا کی قباحتوں سے براہ راست متاثر نہ تھے مگر قوم کو بگاڑ سے بچانے کے لیے اپنے معاشرتی فریضہ میں بھی وہ سرفہرست تھے۔ پیمرا کی بےحسی اورڈھٹائی کو بےنقاب کرنے کے لیےان کے پاس جو فائل تیار تھی اس میں مجھ سمیت ڈھیروں کارکنان شریک تھے۔اسی سلسلے میں دو ماہ پہلے ایک قرارداد میں نے متعلقہ اداروں کوبھیجی تھی اس کی کاپی ان کوای میل کی تو خیال آیا کہ اس کی ایک کاپی ان کے پوسٹل ایڈریس پربھی بھیج دوں۔لفافے پران کا نام لکھ کر پرس میں رکھا مگر مصروفیات کے باعث وہ رکھا کا رکھا رہ گیا۔دو دن پہلے کسی کام سے پرس خالی کیا تو وہ ہاتھ میں آ گیا۔قاضی حسین احمد کا نام لکھا دیکھ کر کیفیت بدل گئی۔سوچنے لگی اس خط کو کہاں پوسٹ کروں؟

کیا آپ کے آبائی گھر جنت کو روانہ کر دوں جہاں آپ فرشتوں کے جلو میں اپنے رب کی مہربانی کا مزہ لوٹ رہے ہوں گےان شاءاللہ!!

☆☆☆

ڈاکٹر پروین سیف مانسہروی

# کڑے سفر کا تھکا مسافر

محترم جناب قاضی حسین احمد کی اچانک وفات پر لوگوں کے تاثرات

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں، مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے؟
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

۶؍ جنوری علی الصبح جب کانوں میں محترم قاضی حسین احمد صاحب کی رحلت کی خبر پڑی تو پورا وجود سکتہ میں آ گیا۔ زبان نے بمشکل انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوگیا۔ دل بے اختیار دھڑک دھڑک کر پکار رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ گویا روشنی سے ایک دم کسی نے اچانک اندھیرے میں دھکیل دیا ہو، پھر آنکھوں میں ان کی زندگی کی ایک ایک تصویر یوں سماتی جا رہی تھی کہ جیسے کوئی فلم چل رہی ہو۔

میں کئی سال پیچھے چلی گئی۔ فیصل مسجد کے پاس اجتماع عام تھا۔ اس میں رات کے غالباً دس بجے اجتماع ارکان رکھا گیا تھا۔ پاکستان بھر سے ارکان مرد و خواتین پنڈال کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے پہلی بار قاضی صاحب کو بالمشافہ دیکھا۔ پردہ کے پیچھے پنڈال میں ایک عجیب سے جلال و وقار سے بیٹھے ارکان سے خطاب کر رہے تھے۔ چہرہ پرنور، آنکھیں روشن، زبان میں بے انتہا شیرینی۔ لوگ اپنے اپنے سوالات کی پرچیاں بھجوا رہے تھے اور ہر طرح کے سخت سے سخت الفاظ میں مگر ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے محاسبہ ہو رہا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے ہر سوال کا تسلی بخش اور بڑی وضاحت سے جواب دے رہے تھے۔ چہرے پر ناگواری کے تاثرات کا شائبہ تک نہ تھا۔ میں نے بھی دو سوال بھجوائے اور ساتھ ہی سوچ رہی تھی کہ واقعی مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین جماعت سے جوڑ کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ جس کا قائد اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن کے سامنے بھی اس طرح جوابدہ ہے جیسے حضرت عمرؓ خلیفہ بن کر عوام کے سامنے خود کو پیش کرتے تھے اور ہر شخص اُن سے کھل کر بات کرتا اور دو چادروں کا حساب مانگتے ہوئے بھی کوئی جھجک نہیں محسوس کرتا تھا۔

میری آنکھوں میں وہ تصویر بھی اتر آئی کہ جب میں ڈسٹرکٹ مانسہرہ کونسل کی ممبر تھی اور تمام کونسل نے قاضی صاحب اور دیگر ایم این اے صاحبان کو مدعو کیا تھا۔ پورے سٹیج کی شان قاضی صاحب تھے۔ ان کی پروقار شخصیت نے ہی تمام لوگوں کو ان کا گرویدہ کر

دیا۔ لوگ سوالات پوچھتے جا رہے تھے وہ پوری متانت سے جواب دے رہے تھے نہ کسی کی مخالفت برائے مخالفت کی نہ تنقید برائے تنقید بلکہ حقیقت اور سچ بڑے سلیقے سے بیان کیا۔اپنے خطاب میں فارسی میں اقبالؒ کے اشعار پیارے انداز میں پڑھ کر خواتین کونصیحت کی ۔ کچھ لوگ صوبہ ہزارہ کے قیام کے لیےان کی جماعت کی پالیسی پوچھنا چاہ رہے تھے انھوں نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا کہ اگرانتظامی بنیادوں پرعوام کی خواہش ہے اورضرورت بھی سمجھتے ہیں تو اسے بننا چاہیے۔کچھ لوگوں نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی جماعت پر اعتراضات کیے، ان سے علیحدگی کی بات اور ناراضگی کا اظہار کیا تو بھی بڑے تحمل سے کہا کہ وہ ہمارے بزرگ ہیں ہوسکتا ہے یہ ان کا خیال ہو۔

پشاور میں جب قومی اسمبلی کے لیے دوسیٹوں پر کامیاب ہوئے تو میں نے انھیں خط میں مبارک باد دی تو انھوں نے فوراً ہی میرے خط کا جواب دیا اور شکریہ ادا کیا۔ایک بار پھر بیماری کی صورت میں میں نے انھیں صحت کا پوچھنے کے لیے خط لکھا تب بھی خود جواب دیا تو میں ششدر رہ گئی کہ اتنی بڑی جماعت کے مصروف ترین لیڈر کے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے کہ ہر ایک کو یاد رکھا جائے ۔ یہی عظیم راہنما کی خصوصیت ہوتی ہے وگرنہ دنیادار لیڈر (آج ہمارے ملک میں دیکھ لیں ) کی تو جھلک بھی دیکھنے کونہیں ملتی حتیٰ کہ ان کے سیکرٹری سے بھی وقت لینا پڑتا ہے۔

انھوں نے ساری زندگی حق پر رہ کر سیاست کی اور دعوت کے تین نکات کے مطابق عملی کام کیا۔ وہ سیاست کو اقتدار کے حصول کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی زمین پر اللہ ہی کے نظام،معاشرے کی اصلاح اور پسے ہوئے طبقات کو ان کے حقوق دلانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اگر اختیارات کے بغیر محض اقتدار اور تجوریاں بھرنا مقصود ہوتا تو ایک بار سینٹ کی اور ایک بار قومی اسمبلی کی سیٹ کو ٹھوکر مار کر گھر نہ بیٹھ جاتے۔ انھوں نے کبھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔ یہ وہ سیٹیں تھیں جن کے لیے دیگر پارٹیوں کے امیدوار لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں اور پھر اس سے خوب خوب فیض یاب ہوتے ہیں۔

اگر چہ انھوں نے اپنی عمر کا قیمتی حصہ جگر کا خون دے کر جماعت اسلامی کو سینچنے میں صرف کیا مگر سانحہ صرف جماعت ہی کا نہیں بلکہ ایک قومی سانحہ ہے اور اُن کی وفات سے نظریاتی سیاست کا ایک باب ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ پوری قوم ایک سچے، مخلص، عظیم لیڈر سے محروم ہوگئی ہے۔ وہ پاکستان ہی کے نہیں بلکہ بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے۔ ان کی نمازِ جنازہ پورے پاکستان کے علاوہ ۳۵ بیرونی ممالک اور خصوصاً حرم شریف میں بھی پڑھی گئی۔ مسجدوں میں اجتماعی دعائیں مانگی گئیں۔تعزیتی اجلاس منعقد ہوئے اور گھروں میں بھی قرآن خوانیاں ہوئیں۔ ہر آنکھ

اشکبار تھی۔

نومبر ۲۰۱۲ء میں اسلام آباد میں ملی یکجہتی کونسل کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے دلسوزی سے اپیل کی کہ ہم فرقہ بندیاں چھوڑ کر یکجان ہو جائیں کیونکہ کفار تو متحد ہو گئے ہیں مگر مسلمان متحد نہیں ہو رہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو آپس میں لڑوایا جا رہا ہے۔

ان کی وفات کے تیسرے دن ضلع مانسہرہ سے ہم خواتین کا قافلہ پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ راحیل بہن کی حالت کا تصور ہی دل کو کاٹ رہا تھا انھیں اتنے شفیق والد کا سایہ نصیب رہا اور اب اچانک ان کی جدائی سے کیا عالم ہوگا!

پشاور پہنچے تو عجیب عالم تھا۔ سڑکیں بلاک، ہر طرف گاڑیوں کا رش، ہر طبقۂ فکر کے لوگ تعزیت کے لیے آ رہے تھے۔ عمران خان، سعد رفیق اور دیگر رہنما مردانہ رہائش گاہ میں تھے۔ دوسری طرف خواتین کے لیے الگ رہائش گاہ تھی اتنی بڑی کوٹھی میں رش کی زیادتی کی وجہ سے باہر گارڈن میں بھی ٹینٹ لگائے ہوئے تھے جہاں تمام آنے والوں کی ضیافت کی جا رہی تھی، امیر غریب سب ہی موجود تھے، کھانا چائے مع لوازمات تمام لوگوں کو پیش کیا جا رہا تھا وہ بھی نہایت نظم وضبط سے، کوئی ہڑبونگ نہیں تھی کہیں پہ چھینا جھپٹی دیکھنے میں نہ آئی۔ غریب لوگوں کو گھروں کے لیے ہمراہ بھی دیا جا رہا تھا۔ کمال کا عالم صبر تھا۔ نہ رونا پیٹنا نہ سینہ کوبی اور بین...... ہر کوئی اشکبار آنکھوں سے رب کے اس فیصلے پر سر تسلیم خم کیے اُسی کی حمد وثنا کر رہا تھا۔

راحیل بہن سے ملے تو کلیجہ مضبوط کر کے، مگر اس عظیم انسان کی بیٹی بھی تو عظیم ہیں جنھوں نے ساری زندگی ان کی تربیت میں خود کو کندن بنایا۔ جوانی میں بیوگی کا دکھ، دو معصوم بچوں کا ساتھ، مگر کوہِ عزیمت کے سایے نے انھیں ہمیشہ ڈھانپے رکھا، آج بھی وہ صبر کی عملی تصویر بنی سب کو گلے لگا رہی تھیں۔ میں نے اُس سے اپنے والد کی آخری ملاقات کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگیں:

''ہفتہ بھر پہلے وہ ہم سے جدا ہو کر اسلام آباد آ رہے تھے۔ نکلتے ہوئے کہا کہ ''اب اجازت ہے؟'' ان کے چہرے پر مسکراہٹ کو دیکھ کر میں نے کہا ''آغا جان اگر ہم اجازت نہ بھی دیں تو کون سا آپ نے رک جانا ہے۔'' (دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا!) پھر بڑی سنجیدگی سے بولے کہ ''آج جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔''

جمعیت کے تمام بچے اور سچ تو یہ ہے کہ ہم خود بھی ...... یہ طلب رکھتے تھے کہ کوئی ہمیں گلے لگا کر دلاسا دے، کوئی ہم سے تعزیت کرے۔ ہم سب ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں...... سب کا غم ایک ہے، کون کسے اور کیا دلاسا دے۔

اُسے خبر تھی راہ میں چراغ جل نہ پائے گا

وہ کیا گیا کہ اپنے ساتھ ماہتاب لے گیا

زبیدہ بہن (سابقہ ایم پی اے) سے ملی تو دل کو سنبھالے وہ بولیں:

''میں قاضی صاحب کی بھانجی اوران کی بیگم کی بھتیجی ہوں اور یوں میرا اُن سے بہت قریبی اور ذاتی تعلق تھا۔ ہفتے کی دوپہر کو وہ میرے بھائی کے گھر آئے میری والدہ جو اُن کی بہن تھیں انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں چونکہ امی بھی معذوری کی وجہ سے اُن کے پاس نہ جاسکتی تھیں اور وہ بھی چند دنوں سے بیمار تھے امی جان کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''الحمدللہ بارک اللہ ماشاءاللہ'' آغا جان اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ہم سب سے ملے، اپنے بزرگوں کے بارے میں بڑی دلچسپ باتیں کیں اور خاص کر یہ کہا کہ جو لوگ تعلیم افورڈ نہیں کر سکتے اُن پہ خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے۔ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ صلہ رحمی پر سختی سے عمل کرتے، ہم سب اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق بڑے احسن طریقے سے ادا کرتے۔ بے شمار ضرورتمندوں کی خفیہ طریقے سے مدد کر دیا کرتے تھے۔ اپنی گفتگو میں ہمیشہ علامہ اقبال کے اشعار پڑھتے تھے ان کی زبانی ہمیں بھی کئی اشعار یاد ہو گئے ہیں۔ وہ اقبالؒ کے مردِ مومن کی سچی اور عملی تصویر تھے۔ اپنی بیگم کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خاندان کے تمام افراد بھانجیوں بھتیجیوں کے نام خوب یاد تھے، سب سے خوب شفقت کرتے تھے خدا مغفرت کرے ان کی رحلت ہم سب کے لیے بڑا سانحہ ہے۔''

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں

بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

بلقیس سیف صاحبہ سابقہ ممبر صوبائی اسمبلی نے اشکبار آنکھوں سے حال دل کہا۔

''شاید پاکستانی قوم کو اپنی بدنصیبی کا اندازہ ہی نہ ہوا ہو کہ جناب قاضی صاحب کی رحلت سے لوگوں کو ایک وحدت میں پرونے والا مخلص شخص چلا گیا ہے، پاکستان اور امت مسلمہ کے لیے یہ سانحہ عظیم ہے ہم سب ایک سچے، دیانت دار اور مخلص راہنما سے محروم ہو چکے ہیں۔ میرے دکھ کا آپ سوچئے کہ آج میرے بھائی کے بچے (جو سمیحہ راحیل صاحبہ کے بچے ہیں) آج دوسری بار یتیم ہو گئے ہیں۔ بھائی ڈاکٹر جمیل الرحمٰن کی وفات کے بعد مرحوم نے بے انتہا شفقت سے ان بچوں (اپنے نواسوں) کی پرورش اور تربیت کی۔ وہ میری والدہ اور والد (مولانا عبدالعزیز مرحوم) کی بہت عزت کرتے تھے۔ جب بھی ہم اکٹھے ہوتے تو دین کے غلبہ کے لیے جدوجہد کی بات کرتے۔ ہمیشہ ہمیں والدین کی فرمانبرداری کی نصیحت کرتے اور ان سے انتہائی عاجزی سے دعا کی درخواست کرتے۔ وہ بہت عظیم انسان تھے، اُن کے اخلاق نبی مہرباں کی سنت کے عین مطابق تھے۔ وہ چلتے پھرتے محبت، اخوت،

شفقت کا پیغام تھے۔''

یارانِ بزم اٹھو کہ سسکنے لگی فضا
قندیل ماہتاب بھی بے نور ہو گئی

رضیہ عزیز صاحبہ (سابق ممبر قومی اسمبلی) نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:

''محترم قاضی حسین احمد صاحب ہمارے بزرگ، ہماری تحریک کے روحِ رواں تھے، جب بھی ان سے ملاقات ہوتی، وہ ہم سے بے حد شفقت سے پیش آتے ۔تمام اہل خانہ کا حال پوچھتے، جب میں پشاور ضلع کی ناظمہ تھی تو ہمیں تحریکی کاموں کے لیے گاڑی کی ضرورت تھی جب میں نے اُن سے بات کی تو انھوں نے اس کے لیے خطیر رقم عطا کی، جس سے ہم نے گاڑی خرید لی۔ خواتین کی بہت عزت کرتے تھے۔ میرے والد صاحب کی وفات ہو چکی تھی، مجھے ان کی صورت میں ایک بزرگ اور شفیق والد مل گئے تھے لگتا ہے ہم سب اب یتیم ہو چکے ہیں۔''

بے پناہ ہجوم میں سمیحہ راحیل بہن کے ساتھ غزالہ سعد رفیق (ایم پی اے ن لیگ) بھی افسردہ تھیں۔ کہنے لگیں۔ قاضی صاحب کی زندگی ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے، وہ ہمہ پہلو شخصیت تھے۔ اپنے بچوں کی تربیت بہترین طریقے اور بے پناہ شفقت سے کی، ہر انسان آج دکھی ہے، ان کا جانا ملک وملت کا بہت بڑا نقصان ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں ان کے یوں چلے جانے پر بیان کرسکوں، وہ عظیم لیڈر اور محبّ وطن پاکستانی تھے۔

کہاں سلیماں کہاں سکندر کہاں ہے جم اور کہاں ہے دارا
یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر
مسافرانِ رہِ عدم کو یہ کیسی نیند آ گئی الٰہی
کہ جب سے سوئے تو پھر نہ چونکے تھکے ہم ان کو جگا جگا کر

مانسہرہ سے سابقہ ایم پی اے محترمہ آفتاب شبیر (ناظمہ ضلع مانسہرہ) نے کہا۔ قاضی صاحب بے شک ایک زیرک، دور اندیش اور بے باک لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کے لیے درد دِل رکھنے والے نیک دل انسان بھی تھے۔ ان کی وفات سے گویا پوری قوم یتیم ہوگئی ہے، وہ ہمیشہ حق کی راہ پر گامزن رہے۔

ضلع ایبٹ آباد کی ناظمہ جمیلہ حیدر صاحبہ نے کہا۔ قاضی صاحب کی رحلت سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام ایک نڈر، بے باک اور نیک نیت راہنما سے محروم ہو گیا ہے۔

کڑے سفر کا تھکا مسافر تھکا ہے ایسے کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کرلیں ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

فاخرہ یوسف سٹوڈنٹ فائنل ایئر ہزارہ یونیورسٹی ضلع مانسہرہ نے بھی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قاضی صاحب نے نہ صرف جماعت کو زندہ رکھا بلکہ وہ پاکستانی سیاست کی روح رواں تھے۔ ایم ایم اے میں بھی ان کو مرکزی حیثیت حاصل تھی ان کی سیاسی سوجھ بوجھ اور امانت و دیانت کا ہر شخص گواہ اور مداح ہے۔

خاتونِ خانہ تحریم رضوان نے بھی دکھی دل سے کہا۔ لگتا ہے آج پوری قوم یتیم ہوگئی ہے۔ انھوں نے کبھی دیگر لیڈران کی طرح عامیانہ باتیں نہیں کیں نہ ہی اپنے مخالفین کو زچ کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ انھوں نے سیاست کو اقتدار کے لیے نہیں بلکہ عوام الناس کی بھلائی اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے استعمال کیا۔ انھیں پورے عالم اسلام میں پذیرائی حاصل تھی۔ انھوں نے کبھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی اور حق پر رہ کر صاف ستھری سیاست کی۔ وہ اقبال کے مردِ مومن تھے۔

بچے بوڑھے جوان ہر طرف سے امڈے چلے آ رہے تھے کراچی سے خواتین اور مردوں کے قافلے بھی اپنے قائد کو الوداع کہنے پشاور پہنچ رہے تھے اور مرحوم کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھے۔

ہوا کے واسطے اک کام چھوڑ آیا ہوں
دیا جلا کے سرِ شام چھوڑ آیا ہوں

مرحوم کہتے تھے استعمار کی کوشش ہے کہ مذہبی جماعتوں کو آپس میں لڑایا جاتا رہے۔ انھوں نے شیعہ سنی اختلاف کو ختم کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور اسی لیے دونوں فرقوں میں یکساں مقبول تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ افغانستان سے نیٹو فوج چلی جائے اور دونوں ملکوں میں برادرانہ تعلق قائم ہو۔ وہ اسلام پسند اور جمہوریت پسند تھے۔ ان کی آنکھوں میں پاکستان میں اسلامی نظام اور ملی یکجہتی کے خواب تھے۔ ہم سب کو ان کا مشن کامیاب کرنا ہے۔ ان کے آخری الفاظ پر غور کیجیے ''عزیزو اب جنت میں ملاقات ہوگی''

۲۰۰۳ء میں جب کوئٹہ میں امام بارگاہ پر حملہ ہوا تو وہ بلا تاخیر وہاں پہنچے اور متاثرین کا غم بانٹا۔ جماعت اسلامی کی امارت سے فراغت کے بعد کہتے تھے کہ اب میں پوری قوم کے لیے ہوں۔

اللہ اپنے عرش پر ان کی بہترین میزبانی فرمائے، ہم سب کو صبر جمیل عطا کرے اور وہ جس راہ کے مسافر تھے ہمیں اس پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

کئی دماغوں کا ایک انسان سوچتا ہوں کہاں گیا ہے؟
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے زباں سے زورِ زباں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے امیر کیا کارواں گیا ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پہ خدا کی رحمت، تری لحد پہ سلام پہنچے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

☆☆☆

عالیہ شمیم

# تو گوہر یک دانہ تھا

میں تو تمہارے قاضی حسین احمد کو قاضی بے چین ہی کہوں گی۔ مامی نے غصے سے چھالیہ کاٹتے ہوئے کہا۔لو بھلا بتاؤ سارے جہاں کا درد جیسے انہی کے دل میں ہے۔ ہر وقت حکومتی پالیسیوں کے خلاف کمر بستہ، کبھی ریلیاں نکالی جارہی ہیں، کبھی ملین مارچ، کبھی جلسے جلوس اور اب دھرنا۔ افغانستان، فلسطین، کشمیر، عراق کا ایشو، ہر معاملے میں امریکہ ہی قصوروار ہے صاحب نظر کی نگاہ میں، کچھ نہ کچھ شوشہ اٹھا کھڑے رکھتے ہیں تمہارے قاضی صاحب...... جماعت اسلامی کی کٹر مخالف اور سیاسی سرگرمیوں سے نالاں وہ نان اسٹاپ بولتیں چلیں گئی تھیں۔

اور آج 15 سال بعد محترم قاضی حسین احمد کی رحلت کی خبر سن کر روتی ہوئی فون پر کہہ رہی تھیں کہ مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ میرے سر سے کسی نے سائبان ہٹا دیا ہو، میرا اپنا بچھڑ گیا ہو بلا مبالغہ تمہارے قاضی صاحب نے دین الٰہی کے غلبہ کی کوششوں میں زندگی گزاری ہے تو میں محترم قاضی حسین احمد کی متحرک زندگی کے متعلق سوچتی چلی گئی کہ شفاف و بے داغ کردار کے حامل، قائدانہ صلاحیتوں سے مالا مال قاضی صاحب نے آخر کار مامی کے احساسات و جذبات کو پلٹ ہی ڈالا، کہاں تو وہ اتنی مخالف و متنفر تھیں اور کہاں اب جماعت اسلامی اور اسکے قائدین کے لئے دعا گو ہیں۔

قاضی حسین احمد کی ہستی ایسی ہی تھی کہ جو ان کی معیت میں وقت گزار لیتا، ان کا اسیر ہو جاتا۔ مخالف بھی ان پر تنقید کرتے ہوئے گھبرا اٹھتے تھے۔ قاضی صاحب کی شخصیت شجر سایہ دار کی مانند تھی جس کے سائے سے اپنے پرائے سب ہی فیضیاب ہوتے تھے۔ ''کاروان دعوت ومحبت'' ان کا ایسا انقلابی اقدام تھا، جس میں بوڑھے، بچے، جوان، خواتین ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث غرض تمام طبقات اپنے مسالک کے باوجود اس یکجہتی ومحبت کے پیغام پر صرف محبت وانسانیت کے تحت ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع تھے۔ مختلف مسالک کے مابین قاضی صاحب پل کا کردار ادا کرتے تھے۔

مجھے آج بھی نومبر 2000ء مدینۃ العلم قرطبہ سٹی میں ہونے والے اجتماع عام کی اجتماع گاہ کا منظر نہیں بھولتا جس میں قائدین وکارکنان عام فرد سب کی رہائش گاہیں یکساں تھیں۔ کارکن اور رہنما سب کے لئے ایک ہی کھانا اور ایک ہی بچھونا تھا۔ قاضی صاحب کی اہلیہ بیگم قاضی محترمہ کا خیمہ بھی اسی قطار میں یکساں تھا کوئی خصوصیت سے رہائش گاہ نہیں بنائی گئی تھی۔ قاضی صاحب سے دلی تعلق رکھنے والی

ان کے کارکنان، مشفقان، بیٹیاں جوق در جوق انکی اہلیہ سے ملنے کے لئے بے تاب تھیں اور وہ ہی سادگی جو اجتماعیت میں نظر آرہی تھی وہ قاضی صاحب کے اہل خانہ میں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ بیگم قاضی حسین احمد ہر ایک سے گلے لگا کر محبت کا اظہار کر رہی تھیں۔

قاضی صاحب نے اس اجتماع میں نوجوانوں کو خصوصیت سے مخاطب کر کے کہا تھا کہ میری قوت آپ ہیں، آج آپ میرا ساتھ دو گے اور تمام نوجوانوں کے پر جوش نعرے ''ہم بیٹے کس کے قاضی کے'' سے پورا پنڈال گونج اٹھا تھا۔ اور ان نعروں کا ہاتھ اٹھا کر جواب دیتے ہوئے قاضی صاحب نے مزید کہا تھا کہ آپ لوگ ہراول دستہ ہو، آپ کو مینارہ نور بننا ہے، جہاد فی سبیل اللہ کی قوت پیدا کرنا ہے، کوئی بھی جماعت اسی وقت بہترین بنتی ہے جب اس کے کارکنان عذرات ومعذرتوں سے دور رہیں۔ آنے والے حالات زیادہ کٹھن ہیں، سستی کے بجائے اپنے اندر ایمانی قوت پیدا کریں مشقت کے عادی بنیں، حضور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی پابندی کر کے سچے عاشقان رسول کا ثبوت دیں۔ اللہ اپنے دین کا کام لینے کے لئے محتاج نہیں۔ دین الٰہی کا کام بڑے اعزاز کی بات ہے۔ آپ کو اگر اللہ نے اپنے کام کے لئے چن لیا ہے تو یقیناً یہ آپ کے لیے بڑی خوش نصیبی ہے۔ اللہ کا ضابطہ ہے کہ وہ قوموں کے عروج وزوال سے نصیحت کرتا ہے۔ باطل کے لئے لوہے کے چنے آپ نوجوان ہیں، امت کا سرمایہ ہیں۔ اپنے اندر عظیم اخلاق پیدا کریں، محبت سے دلوں کو فتح کریں اور قرآن کی دعوت کو لے کر عام کریں، سب سے بڑی خدمت انسانیت کی خدمت کا اپنے رب سے تعلق جوڑ دینا ہے۔

اکتوبر 2004ء کے اجتماع میں قاضی صاحب عظیم شخصیت جو نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکن، خواتین و بچوں کے لئے مثل ان کے باپ کے محفوظ پناہ گاہ اور بزرگوں کے لیے امید کا دیا تھی ان کے یہ الفاظ آج بھی میرے حافظہ میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، جوانہوں نے اجتماع عام میں خواتین اور بچیوں کی کثیر تعداد میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہے تھے، کہ یہ جماعت اسلامی کی بااعتماد فضا ہے کہ لوگ اپنی بہو بیٹیوں کو اجتماعات میں بے دھڑک بھیج دیتے ہیں۔ یہ بہت فخر کی بات ہے کہ آندھی، طوفان، بادوباراں اور موسم کی شدت کے باوجود ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے حوصلے بلند ہیں، وہ ٹپکتے خیموں ٹوٹے شامیانوں میں صبر وتحمل سے مناجات کرتیں رہی ہیں جسکی میں جتنی بھی حوصلہ افزائی کروں کم ہے۔

2007ء کی اجتماع گاہ تھی، اس وقت بڑا پرنور منظر پیش کر رہی تھی جب قاضی صاحب کی درخواست پر تمام مردوزن ہاتھوں میں پرچم تھامے نعروں کی آڑ میں مسلسل گونجتے ترانوں کے ساتھ ملتان روڈ تک پیدل احتجاج کیلئے سڑکوں پر نکل آئے۔ یہ مظاہرہ قاضی حسین احمد اور نائب امیر لیاقت بلوچ ودیگر رہنماؤں کی قیادت میں ہوا تھا۔ اچانک مظاہرے کے باعث اجتماع گاہ کے باہر تعینات پولیس کی نفری اور موٹروے ٹریفک پولیس مکمل طور پر بے بس ہو چکی تھی

مظاہرین بڑے جوش وخروش سے پرویز مشرف اور اس کا ساتھ دینے والے جرنیلوں اور سیاستدانوں کے خلاف نعرے بازی کرتے رہے۔ بعدازاں یہ مظاہرہ قاضی صاحب کی درخواست پر پرامن طور پر منتشر ہوگیا اس اجتماع کے آخر میں قاضی صاحب نے بڑی رقت کے ساتھ اللہ کو پکار کر اپنی اور اپنے گھر والوں کی، اپنے مال کی اللہ کی راہ میں قربانی کی درخواست کی اور رورو کر نظام اسلام اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے دعا کی۔ اس دعا کے دوران تمام حاضرین محفل پر رقت طاری ہوچکی تھی میں آج بھی جب اس لمحے کو سوچتی ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دعا کے وہ الفاظ جو قاضی صاحب کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر سسک سسک کر ادا ہو رہے تھے، اس وقت ہر فرد ان کی دعا کے ساتھ ہم زبان ہو کر صرف اللہ کے لئے غلبہ دین کے لئے، نظام اسلام کے لئے اپنی جان، اپنا مال سب کچھ قربان کر دینے کا عزم کر رہا تھا۔ 2008ء کے ملک گیر اجتماع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے اجتماع عام کا پیغام دینے کے لیے پشاور تا کراچی ٹرین مارچ کیا اور عام لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت بھی پہنچائی اور اس میں مختلف علاقوں، شہروں سے تعلق رکھنے والوں کے علاوہ غیر ملکی مندوبین نے پورے ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کی۔

غرض قاضی حسین احمد مرحوم جن کا دو بار بائی پاس ہو چکا تھا، بیماری نے کبھی ان کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آنے دی تھی۔ ہمیشہ اسلامی عدل پر مبنی نظام کے لئے کوشاں رہے۔ آج وہ ہم میں نہیں قلم ان کو مرحوم لکھتے ہوئے تھراتا ہے۔ موت ایک ایسی تلخ حقیقت جس سے مفر نہیں۔ قاضی صاحب کی وفات کی خبر سن کر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ کوئی دل موت جیسی حقیقت کو جاننے کے باوجود ماننے کو تیار نہ تھا کہ قاضی صاحب بھی اب اس دارفانی سے کوچ کر چکے ہیں۔ کوئی کسی سے آنکھ نہ ملا رہا تھا۔ اپنے پرائے سب ہی سسک رہے تھے۔ آج وہ خاموش تھے۔ وہ ہستی جو برستی آنکھوں کو دیکھ کر بے چین ہوجاتی تھی، تسلی وتشفی سے دل کو سکون بہم پہنچاتی تھی ان کے اردگرد ہجوم سسک رہا تھا، رو رہا تھا۔ اور وہ سوگواران کے مجمع میں الوہی مسکراہٹ کے ساتھ پرسکون اپنے رب سے ملاقات کے لئے ان سعید روحوں کی طرح تیار تھے جن کے لئے رب نے فرمایا ہے۔

اے نفس مطمئنہ چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، تو شامل ہوجا میرے بندوں میں اور داخل ہوجا میری بہشت میں (الفجر)

آج وہ آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوگئیں جن میں ایمان اور یقین کی چمک ہوتی تھی۔ وہ زبان خاموش تھی جس سے قرآن وحدیث کے موتی جاری رہتے تھے۔ وہ دل جس کی ہر دھڑکن غلبہ دین کے لیے دعا گو رہتی تھی، آج اسی آرزو کو لئے ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی تھی۔

ان کی وفات کے بعد آج یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میں یتیم کئی سال پہلے نہیں بلکہ اب ہوئی ہوں۔

☆☆☆

# گرمِ دمِ جستجو

رب کائنات نے گزشتہ صدی کے تیسرے عشرے میں نوشہرہ کے چمن (زیارت کا کا صاحب) میں وہ پھول کھلایا جس کے رکھوالوں نے اس کا نام قاضی حسین احمد رکھا۔

قاضی۔قرونِ اولیٰ سے مسلمانوں کے تقرر شدہ بہترین فیصلے کرنے والے۔ جج ومنصب کو جو منصف سونپا جاتا ہے اسے قاضی کا نام دیتے ہیں اور فاطمہؓ کے لخت جگر حسینؓ کے حوالے سے آپ کے نام کا درمیانی حصہ اور آخری حصہ احمد پیارے نبیؐ سے منسوب ہے گویا۔

زندگانی ہے صدف قطرۂ ، نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خودنگر و خودگر و خودگیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

غلبہ دین کی جدوجہد نہ ماضی میں آسان تھی اور نہ آج سہل ہے۔ اس میں طبعتوں اور مزاجوں کی آزمائشیں بھی ہیں اور جی جان کا زیاں بھی۔حصول دنیا پر قدغن بھی ہیں اور صبر وثبات کی مشکل گھاٹیاں بھی۔ ان تھک سعی وجدوجہد کا لامتناہی سلسلہ بھی ہے اور نت نئے تقاضوں اور چیلنجز کا کوہِ گراں بھی......

اس پل صراط سے گزرنے کیلئے مضبوط ایمان ، پختہ ارادہ، گہری بصیرت، دانائی وحکمت، دل موہ لینے والا حسنِ اخلاق، مستحکم اور جاذب نظر شخصیت، خلوص نیت اور دل کی لگن درکار رہے۔ ورنہ لذات وخواہشات کے اس بت خانۂ جہاں میں پوری عمر کا سودا کر کے اسے دم آخر تک نبھانا کس کے بس میں ہے!!

یہ دنیا اب عالم گیر یت (globalization) کے مرحلے میں ہے۔ ذہن وقلب کو بیدار رکھنا اور ''چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو'' کا مصداق بننا ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔ جذبے صادق ہوں اللہ پر بھروسہ ہو۔اپنے وقت، صلاحیت مال کا بیش قدر حصہ تحریک کی جھولی میں ڈالنے کا جذبہ فرواں ہو تو منزلیں خود پکارتی چلی آتی ہیں۔غلبۂ دینِ مبین کی منزل، رضائے ربِ متین کی منزل!

ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں
انہیں کے ذوق عمل سے ہیں امتوں کے نظام

کسی فرد کو بھی جب طویل عرصے تک کوئی عہدہ، منصب یا اقتدار ملتا ہے تو عمومی لوگ اس کی خامیوں کے در پے ہو جاتے ہیں اور اسے ہٹا کر نیا چہرہ منظر عام پر لانے کی کوشش میں اس پر تنقید کے ڈونگرے برساتے ہیں۔مگر قاضی صاحب کی پر وقار اور وجیہہ شخصیت میں کچھ خاص وصف تھا کہ 22 سال کی

طویل مدت میں تین مرتبہ آپ کے ہی منتخب ہونے پر آپ سے کوئی اکتایا نہ بیزار ہوا۔ اپنے، پرائے، رشتہ دار، ہمسائے، امیر، غریب، محلّہ دار، اجنبی، چھوٹے بڑے، دوست دشمن غرض سب ہی آپ کے شفیق سائے میں ایک پرسکون ٹھنڈک محسوس کرتے تھے کیونکہ آپ کی طبیعت میں جو حلم نرمی اور اعتدال تھا جس کی وجہ سے وہ وقت بے وقت، دروازے پر آنے والے کسی بھی شخص کو مایوس نہ کرتے خواہ وہ رات کو اس وقت آتا جب آپ آرام کر رہے ہوں۔ آپ اس کا مسئلہ سنتے اور حتیٰ المقدور اسے حل کرنے کی کوشش کرتے۔

ہوتا ہے کوہ ودشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کا فقر خذف کو کرے نگیں

آپ نے اس عظیم مشن کا علم تھامے رکھا جسے سید مودودیؒ نے پروان چڑھایا۔ آپ کی بیٹی سمیحہ راحیل قاضی کہتی ہیں۔

''بچپن ہی سے ابو کو اسلامی تحاریک سے وابستہ اور ان کی خدمت کے لیے کمر بستہ دیکھا۔ اور انکی اجلی بے داغ زندگی کے وہ گوشے میرے سامنے ہیں جس سے باہر کی دنیا ناآشنا ہے۔

ابو کی بڑی پیاری عادت تھی کہ وہ ہمارے ساتھ بیٹھے بیٹھے کاغذ کے ٹکڑوں پر اپنی روزمرہ کی تقاریر کو بھی نکات بنا بنا کر لکھتے رہتے تھے۔ انکی تحریروں کو گزشتہ دنوں میں نے اکٹھا کیا تو مجھے حیرانی ہوئی کہ ابو کی اتنی تحریریں ہیں کہ کئی کتابیں بن سکتی ہیں۔''

مزید کہتی ہیں کہ'' میں نے ابو کو ہمیشہ Complex free انسان دیکھا جو اپنے آپ کو جھونپڑی میں ایک خاک نشین سے برتر نہیں سمجھتا اور محل میں بیٹھے ایک بادشاہ اور جابر سے مرعوب ہو کر اپنے آپ کو کسی لحاظ سے کم تر نہیں سمجھتا۔''

اصلاحِ معاشرہ میں عورت کے کردار کے حوالے سے نئی نسل میں باعمل اور باکردار بچیوں سے آپ بہت پرامید تھے۔ ایک بار جب رمضان المبارک کی تپتی دوپہر میں شہیدۃ الحجاب مروہ الشربینی کے حوالے سے انہوں نے روڈ پر ٹرک پر کھڑے ہو کر کافی دیر خواتین کی کثیر تعداد سے خطاب کیا، اور اس ضعیف العمری میں روزے کے ساتھ انتہائی جوش و جذبے سے عالمی میڈیا کے سامنے اسلام میں خواتین کے حقوق پر زوردار تقریر کی اور سامنے کھڑے ان کے بچوں کی عمر کے سامعین کو حیران کر دیا کہ صنف نازک بھی اس باریش بزرگ سے سبق لے کر اپنے اندر ایک نئی قوت، عزم اور ولولہ محسوس کریں اور ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہیں۔

علامہ اقبالؒ اور بیشتر شعراء کے بہترین اشعار آپ کی تقریروں، تحریروں میں نمایاں نظر آتے اور آپ کے ادبی ذوق اور کئی زبانوں پر عبور کی عکاس ہیں۔ لگتا ہے کہ اقبال ان ہی کیلئے فرما گئے۔

صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی

عوام الناس میں گھل مل کر ایسے باتیں کرتے کہ

جوایک بار ملتا وہ اس ملاقات کو کبھی بھلا نہ پاتا۔

میرے بھائی مبشر حسن رانا جو سمن آباد میں ایک عرصہ سے جماعت کے لیے سرگرم ہیں ان کی زبانی تاثرات سنئے۔

''میں جمعیت طلبہ کے دور سے قاضی صاحب کی مسحور کن شخصیت سے بہت متاثر تھا جب کبھی ان سے ملا تو ایک نیا ولولہ اور عزم لے کر جدا ہوا۔ جو کام مشکل محسوس ہو رہا ہوتا وہ آسان لگنے لگتا۔

ان کے ساتھ پچھلے 27 سال ایسے مصروف عمل رہے کہ کبھی اسلام آباد کا رواں جا رہا ہے تو کبھی اضاخیل۔ اور کبھی رمضان المبارک میں گلی میں ٹینٹ لگا کر افطاری میں ہم قاضی صاحب کو مدعو کرتے ہیں اور وہ تشریف لا کر ہمیں شکریہ کا موقع دیتے ہیں اور مسجد خضریٰ کے نزدیک مسجد کبریٰ میں مغرب کی امامت کرتے ہیں۔

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

وہ مولانا کے چار نکاتی پروگرام ''تطہیرِ افکار، تعمیر کردار، تلاشِ افراد اور تنظیم و تربیت'' کی عملی تفسیر تھے۔ لوگ دین اور دنیا کے الگ خانے بنائے رکھتے ہیں یعنی نماز برائے پوجا پاٹ بھی ہو رہی ہوتی ہے ساتھ ہی فسق و فجور بھی چل رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ درس قرآن کو عین دین سمجھتے ہیں۔ مگر جلسہ جلوس اور ریلی کو نری سیاست۔ تو قاضی صاحب نے ہر حال میں اپنی طبیعت اور ذاتی کاموں کو نظر انداز کرتے ہوئے سڑکوں پر قیادت سے یہ ثابت کیا ایک مردمومن اگلے محاذ کا فوجی ہے۔ میرے بہنوئی شاہد مشتاق قاضی صاحب کے انتہائی عقیدت مند ہیں اور انہیں مرشد کا درجہ دیتے ہیں جس دن قاضی صاحب کا انتقال ہوا۔ انہوں نے بہت عرصہ بعد اس دن اپنے ننھے بچوں کے ساتھ پکنک کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ لیکن رات 2 بجے اطلاع ملتے ہی یہ جانگداز خبر اپنے اہل وعیال کو سنائی اور جنازے میں شرکت کیلئے نوشہرہ روانہ ہو گئے۔

میرے شوہر بتاتے ہیں کہ جب ہم نے نیا گھر بنایا تو اس کا افتتاح قاضی صاحب سے کروانے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔ اگرچہ یہ ایک بے سروپا سی بات لگتی ہے مگر ان کی نرم طبیعت دیکھی مدعا بیان کر دیا۔

انہوں نے فوراً حامی بھر کے مجھے حیران کر دیا۔ لیکن جس دن انہوں نے آنا تھا اس روز مولانا مودودیؒ کی بیٹی کا انتقال ہو گیا اور وہ جنازے میں چلے گئے۔ مگر مجھے نہیں بھولے اور ایک خط مجھے بھجوا کر نہ آنے کی وجہ بیان کی۔ ان کی جدوجہد بھری زندگی ہمارے لیے سبق ہے۔

باندھو کمر کہ دوری منزل کا غم نہیں
ہے بادباں درست تو ساحل کا غم نہیں
سر پر خدا ہے پھر کسی مشکل کا غم نہیں
باقی ہے وقتِ زرع تو حاصل کا غم نہیں

☆☆☆

# یتیمی کیسی ہوتی ہے!

یتیمی کی اذیت کس کو کہتے ہیں یہ آج میں جانا!!

میں نے اپنے بابا کو نہیں دیکھا۔ میری پیدائش انکے انتقال کے چھ ماہ بعد ہوئی مگر نہیں...... مجھے تو لگ رہا تھا میں آج ہی یتیم ہوئی ہوں۔

جو زخم مجھے آج لگا تھا وہ کبھی نہیں بھر سکتا نہ ہی اس کا کوئی نعم البدل ہو سکتا تھا۔

رات ڈیڑھ بجے کا وقت ......خبر کیا تھی منہ سے نکالتے ہوئے بھی دل لرز رہا تھا۔ ڈرتے ڈرتے بھائی سے پوچھا وہ بھی لاعلم پھر ٹی وی چینلز کو نیٹ پر ہی سرچ کیا اور لگا تھا دل غم کی شدت سے کہیں مزید چلنے سے انکار نہ کر دے کہ سامنے ہی یہ دردناک خبر چل رہی تھی کہ میرے قائد میرے شفیق باپ جن کا خمیر محبتوں سے گوندھا گیا تھا جن کی رگ رگ میں امت کے اتحاد کی تڑپ تھی وہ اس بے وفا دنیا سے منہ موڑ چکے تھے...... اپنے رب اعلیٰ کی مہمان نوازی کے لیے۔

میں ایک چھوٹے سے بچے کی مانند سسک رہی تھی اور میں یہ کیا یہاں تو ہر ایک تڑپ رہا تھا جس سے بات کرو وہی سسک رہا تھا لگتا تھا یہ قوم یتیم ہوگئی ہے۔ کچھ نہیں سمجھ آ رہا تھا کیا کہہ کر خود کو تسلی دی جائے۔ دل کچھ سننے کو تیار نہیں کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں۔ جو انسان کو توڑ دیتے ہیں یہ بھی ایسا ہی کاری گھاؤ تھا جو ہر ایک نے اپنے دل پر محسوس کیا۔ ٹی وی پر چلنے والے مناظر جس میں ہر ایک یوں زار و قطار رو رہا تھا جیسے یہ مجاہد اسلام بس اسی کے دل کی دھڑکن تھے۔ میں بھی یہی سمجھی کہ میرا دکھ سب سے زیادہ ہے مگر وہ تو یہاں ہر ایک کے سینے میں دل کی جگہ دھڑکتے تھے!

یہ حقیقت برحق سہی کہ ''کل نفس ذائقۃ الموت'' اور کتنے ہی لوگوں کو اپنے پیاروں کو بچھڑتے دیکھا۔ مگر یہ کیسی جدائی تھی جو مارے دے رہی تھی۔ روح تک زخم زخم تھی۔ یہ رات میری بلکہ لاکھوں لوگوں کی زندگی کی اذیت ناک رات تھی۔ جس نے سن لیا وہ نہیں سویا اس کی رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ نیند کہاں سے آتی یہاں تو عالم یہ تھا کہ اگر مرنے والے کے ساتھ مرا جا سکتا تو آج نجانے کتنے جنازے اٹھتے۔ صرف پاکستان ہی نہیں دنیا کے ہر کونے میں بیٹھے اور سسکتے کون تھے یہ عاشقانِ قاضی...... ایسا کیا دیا گیا تھا ان کو کہ ان کی تڑپ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

ہوتی بھی کیسے......جن کا بچپن اور جوانیاں فخر سے یہ دعوے کرتے گزریں تھیں کہ ''ہم بیٹے کس کے؟ قاضی کے'' وہ کیسے نہ تڑپتے اپنے اس باپ کے لیے

جو حقیقی باپوں سے بڑھ کر تھے۔ جن کی رگوں میں اس مرد مجاہد کی محبت خون کے ساتھ سرایت کر چکی تھی آج انکے لیے خود کو سنبھالنا ایسے ہی تھا جیسے کسی مچھلی کو پانی سے باہر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ آج مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ صبر کا درجہ میرے مالک نے کیوں اتنا بلند رکھا۔ آہ...... مگر صبر کہاں سے لائیں......

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فرازؔ
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

میرے مرشد کے بارے میں کون نہیں جانتا! میرا انکے لیے کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔

آج پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون ان کا مخالف ہے اور کون چاہنے والا...... ہر ایک ہی کے اشک اس کے اندر کے دکھ کی کہانی سنا رہے تھے۔

اپنے تو خیر اپنے مگر یہاں تو مخالف بھی رو رہے تھے۔ بس ایک ہی بات تھی کہ یہ امت مسلمہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ بات بھی سو فیصد سچ تھی۔ وہ جن کے دل میں امت کے اتحاد کی تڑپ انہیں اس عمر اور سخت گرتی ہوئی صحت کے باوجود چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی اور انہوں نے اسکی جدوجہد میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ لگا دیا۔ وہ تو اک ایسا چمکتا ہوا روشن ستارہ تھے جس سے ہر ایک نے روشنی ہی پائی۔

یقیناً میرے رب نے ان کے لئے بہترین جنتوں کا مہمان بنانے کی تیاری کر لی ہوگی ان کے انتقال کے لئے ان کے رفقاء کو بھی اطلاع کر دی گئی ہوگی۔ خود رب کا فرمان ہے ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔'' بس میری رب سے دعا ہے کہ مولا ہمارے والد کی بہترین میزبانی فرمائے گا اپنی جنتوں میں سے بہترین جنت کا مہمان بنائے گا۔ اور دکھ کی اس گھڑی میں جب کہ اس صدمے سے ہم بکھر چکے ہیں، مولا ہمیں صبر جمیل عطا فرمائیے۔

مولا ہمیں قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے تلے اکٹھا کیجیے گا کہ ہم نے تیرے لئے محبت کی اور خالص کی اور جن چراغوں کو وہ جلا کر گئے ان کو روشن رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمانا آمین۔

یتیمی کیسی ہوتی ہے؟
دکھ کس کو کہتے ہیں؟
زخم کیسے لگتا ہے؟
درد کیسے ہوتا ہے؟
یہ آج میں نے جانا! لیکن
غم کی اس شدت میں
درد بھری حقیقت میں
کیسے خود کو سنبھالے کوئی؟
کیا کہہ کر بہلائے کوئی؟
دیکھو تو ٹوٹ گیا کوئی
چھن گیا مجھ سے
سائباں وہ محبتوں کا
بس اک انبار ہے اسریٰ
ان گنت یادوں کا

☆☆☆

نوشابہ احسن

# اتحادِ امت کے داعی

''ہم نے تفہیم القرآن اور کلامِ اقبال ابو جان سے پڑھا ہے۔''

راحیل کا کہا یہ جملہ بہت سال پہلے کا ہے۔

''ابو جان دنیا کے کسی گوشے میں بھی ہوں مجھے فجر کے بعد لازماً فون کرتے ہیں۔ میرا اور بچوں کا حال احوال ضرور پوچھتے ہیں۔''

یہ بات بھی راحیل نے اپنے جواں سال شوہر کے انتقال کے کچھ عرصے بعد کہی۔ مندرجہ بالا سطور یہ بتانے کو کافی ہیں کہ قاضی صاحب جہاں باہر کی دنیا میں خلوص ومحبت کا استعارہ سمجھے جاتے تھے وہاں گھر کے اندر بھی انتہائی شفیق ومہربان ہستی تھے۔ اتنی مصروفیات کے باوجود اپنے گھر اور بچوں کو اتنا وقت دینا کمال خوبی ہے۔

درحقیقت قاضی صاحب بے شمار اعلیٰ خوبیوں کا مجموعہ تھے۔ آپ کی شخصیت پر دو اعلیٰ خوبیوں کی چھاپ گہری اور نمایاں تھی وہ خلوص ومحبت کا ایک مکمل استعارہ تھے اور اتحاد امت کی تڑپ رکھنے والا دردمندل رکھتے تھے۔

دور طالب علمی میں جب بھی قاضی صاحب کا خطاب سنا تو ان جملوں کی تکرار پائی۔

''آپ ہر طالبہ تک پہنچئے۔ بغیر کسی تفریق کے سب کو خلوص محبت سے دعوت دیں۔ ہر طرح کے تفرقہ اور تعصب سے بالا تر ہوکر سب کو ایک اللہ، ایک رسولؐ، ایک کتاب پر جمع کریں۔''

محترم قاضی حسین احمد واقعی امت کے نبض شناس تھے۔ آج دنیا میں انہی دو چیزوں کی شدید کمی ہے۔ دشمنان اسلام نے تو امت کو بے تحاشہ فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کیا ہی تھا لیکن اصل المیہ یہ ہے کہ ہم اسلام پسندوں نے بھی اپنے اپنے خول میں خود کو بند کیا ہوا ہے۔ کوئی ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر تیار نہیں ہے۔ انانیت اور تعصب کی بیماری ہم اسلام پسندوں کو بھی بری طرح کھائے جا رہی ہے۔ مزید المناک پہلو یہ ہے کہ ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے اور دشمن ہماری اس کمزوری کا خوب فائدہ سمیٹ رہا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

محترم قاضی صاحب کی پوری زندگی بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ بس اسی کوشش میں گزرا کہ کسی طرح تمام اسلامی قوتوں کا اتحاد ممکن ہوجائے۔ ایم ایم اے کے قیام کے لئے انہیں بعض دینی رہنماؤں کے دروازے پر ان گنت بار بھی دستک دینی پڑی لیکن وہ

کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ تمام تر کوششوں کے باوجود جب یہ اتحاد برقرار نہ رہ سکا تو شاید قاضی صاحب جیسے حساس بندے نے اسے دل کا درد بنالیا اور دل کے عارضے میں مبتلا ہو گئے۔

انہی دونمایاں صفات کی وجہ سے آج ہر خاص وعام قاضی صاحب کی رحلت کو اپنادکھ سمجھ رہاہے۔ ان کے بیٹے نے بالکل صحیح کہاہے کہ

''سمجھ نہیں آتا کہ آپ مجھ سے تعزیت کریں یامیں آپ سے تعزیت کروں۔'' تمام مسلم ممالک ہمارے دکھ میں شریک ہیں۔ پانچ براعظموں اور حرمِ کعبہ میں آپ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

اللہ کرے ان کی حقیقی اولاد، روحانی اولاد اور جماعت اسلامی کا ہر دردمند دل رکھنے والا کارکن صرف ان تین صفات کو ہی اپنے اندر پیدا کرلے تو دنیا وآخرت کی کامیابی ان شاء اللہ ہم سے دور نہیں۔ اول، اپنے گھر کے ماحول اور بچوں کی تربیت پر توجہ دیں کیونکہ قاضی صاحب کے ہر خطاب میں یہ بات لازماً ہوتی تھی۔ ''میرے عزیزو! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے گھروں پر توجہ دیجیے......''

آپ ہی کے دورامارت میں اجتماعِ اہل خانہ کا کالم رپورٹ فارم میں شروع ہوا۔

دوم، ہم سب خلوص ومحبت کا پیکر بن کر جائیں نہ صرف اپنوں کے لئے بلکہ ہر اس شخص کے لئے جو واقعی اللہ کے لئے مخلص ہے۔ اس انتہائی قیمتی خوبی کو ہم ناپید کرتے جارہے ہیں حالانکہ خلوص محبت اور اعتماد لینے و دینے کی کمی خود ہمارے حق میں ہرگز اچھی نہیں ہے جبکہ پوری امت مسلمہ کو بھی پارہ پارہ کردینے کو کافی ہے۔

سوئم، امت مسلمہ کی یکجائی ہمیں بھی محبوب ہوجائے۔ اگر آج بھی تمام دینی قوتیں انانیت، خودغرضی اور تعصب جیسی کینسر زدہ بیماری سے چھٹکارا حاصل کرلیں تو دنیا کی کوئی طاقت ''حزب اللہ'' کو شکست نہیں دے سکتی۔

اللہ تعالیٰ محترم قاضی حسین احمد کو جنت الفردوس عطا کرے۔ ان کی تمام نیکیوں کو بڑھا چڑھا کر قبول کرے، لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کی اولاد اور ہم سب کو ان کا صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین، ثم آمین

☆☆☆

انتخاب وترتیب:
عصمت اُسامہ حامدی

# وہ ایک رَہ نورِ دِشوق قافلہ بنا گیا

محترمہ صائمہ اسما! سلام ودعا۔ حسبِ وعدہ دو دن میں اداریئے، کالم، ٹی وی چینلز کے کلپس وغیرہ تلاش کر کے مرتب کر دیئے ہیں، اس دوران میں بہت روئی ہوں۔

☆ قاضی حسین احمد آہوں وسسکیوں میں سپردخاک، نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت۔ (روزنامہ ایکسپریس۔7 جنوری)

☆ قاضی حسین احمد بھی داغِ مفارقت دے گئے! (اداریہ نوائے وقت، 7 جنوری)

سوویت یونین کے خلاف افغان مجاہدین کی جنگ آزادی کی بھرپور حمایت سے، قاضی حسین احمد نے جماعت کو ایک متحرک سیاسی ومذہبی جماعت بنا دیا۔ وہ اپنی تقاریر میں علامہ اقبالؒ کے اشعار کی آمیزش سے قومی ایشوز کو اجاگر کرتے تھے۔ انہیں علامہ اقبالؒ کا کلام ازبر تھا اور اس تناظر میں انہیں حافظِ اقبال، بھی کہا جاتا تھا۔ انہیں یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ انہوں نے جماعت کے جلسے اور جلوسوں کے اجتماعات کے روایتی انداز کو بدل کر اسے پرجوش اور جدید عوامی رنگ دیا۔ اس طرح وہ عام لوگوں کو صالحین کے قریب کرنے میں کچھ کامیاب بھی رہے۔ ایم ایم اے اور دفاعِ پاکستان کونسل میں انہوں نے بھرپور نمائندگی کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ بالخصوص ان کی صاحبزادی سمیحہ راحیل قاضی کو!

☆ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا! (ہارون الرشید روزنامہ "دنیا" 7 جنوری)

اپنے مقصد سے سچی وابستگی اور پیہم ریاضت نے انہیں وقار اور اعتبار بخشا۔ اسی اعتبار کے ساتھ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں چلے گئے، عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا۔ اللہ اُن کے درجات بلند کرے۔ اب ان جیسا اور کوئی نہیں...... دو برس ہوتے ہیں، اور یا مقبول جان کے صاحبزادے کی شادی میں قاضی صاحب کو دیکھا کہ چھڑی کا سہارا لے رکھا ہے، حیرت ہوئی، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سراپا زندگی۔ ان کے مضمحل اور نڈھال ہونے کا تصور ہی نہیں ہوتا......! محض ذاتی جدوجہد سے انہوں نے دینی جماعتوں پر مشتمل "متحدہ مجلس عمل" وجود میں لائی۔ قاضی حسین احمد کے بغیر یہ اتحاد کبھی تشکیل نہ پا سکتا۔ پہل کرنے والے وہ ایک بے تکلف اور پرجوش آدمی تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کو رام کرنا سہل نہ تھا۔ محبت میں مگر وہ جادو ہے کہ پتھر بھی پگھلا دیتی ہے۔ وہ ان کے گھر جا پہنچے اور پھر ہمیشہ کے لیے اس گھر کا حصہ ہو گئے!

؎ کب نکلتا ہے کوئی دل میں اتر جانے کے بعد
اس گلی میں دوسری جانب کوئی رستہ نہیں !

☆وہ اک دیا بجھا تو سینکڑوں دیئے جلا گیا!(احمد شاہین، سچ ٹی وی)

میرا قاضی صاحب سے پہلا تعارف ''اسلامک فرنٹ'' کا ایک سٹیکر بنا...... جس پر قاضی صاحب کی تصویر کے ساتھ یہ الفاظ رقم تھے۔

''نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز۔''

بچپن سے آج تک قاضی صاحب کو ان الفاظ کی کسوٹی پر پرکھا اور ہمیشہ کھرا پایا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا یہ اعجاز ہے کہ انہوں نے اپنی ہم عصر مذہبی جماعتوں کے برعکس جماعت اسلامی کی تعمیر نئے خطوط پر کی اور قاضی صاحب کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی کو عوامی جماعت بنانے کی داغ بیل ڈالی۔ قاضی صاحب شاید دورِ حاضر کے وہ واحد بزرگ تھے جن کی تقاریر نوجوان طبقہ بھی دلچسپی سے سنتا تھا۔ قاضی صاحب ہر کٹھن مرحلہ پر اپنے کارکنان کے شانہ بشانہ نظر آئے۔

☆ قاضی صاحب (جاوید چودھری، 8 جنوری)

انسان اپنی بڑی بڑی عادتوں سے بڑا نہیں ہوتا۔ یہ چھوٹے چھوٹے واقعات پر اپنے بڑے پن سے بڑا بنتا ہے اور قاضی صاحب کا دل اس معاملے میں واقعی بہت بڑا تھا۔ قاضی حسین احمد آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن ان کی اچھائیاں ہمیشہ قائم رہیں گی۔ ہم سب انسان عارضی ہیں، ہم موسیٰؑ ہوں یا فرعون، ہم بادشاہ ہوں یا غلام اور ہم کامیاب ہوں یا ناکام ہم سب اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، اس دنیا کو خدائی کا دعویٰ کرنے والا فرعون بھی چھوڑ جاتا ہے اور سچے خدا کی خدائی ثابت کرنے والے حضرت موسیٰؑ بھی، لیکن ہمارا کنٹری بیوشن ہماری خدمت، دنیا میں مدت تک زندہ رہتی ہیں!

☆پاکستانی سیاست کا معتبر حوالہ!(نوائے وقت، اشاعت خاص 7 جنوری)

قاضی حسین احمد، عاشقِ اقبال، بھی راہی عدم ہوئے۔ قاضی حسین احمد نے ملک میں فرقہ ورانہ فسادات کی روک تھام کے لئے اسلام آباد میں اجلاس طلب کیا ہوا تھا جس میں انہیں جماعت اسلامی کی تائید حاصل تھی۔ قاضی حسین احمد کے مطابق اجلاس کے چار نکات ہیں جن میں باہمی اختلافات کو بات چیت کے ذریعے حل کرنا، خطبات جمعہ میں ہم آہنگی اور ان میں عملی گہرائی پیدا کرنا، اسلامی نظریاتی کونسل کی متفقہ طور پر منظور شدہ سفارشات کو نافذ کرنا اور مختلف فقہ کے لوگوں کو قریب لانا، ایسا ماحول پیدا کرنا کہ وہ اختلافات کو نظر انداز کریں اور مشترکات پر زور دیں۔

☆ میں تمہارے ساتھ ہوں!(حامد میر۔ قلم کمان)

صبح فجر کے وقت آنکھ کھلی تو موبائل فون پر ان کی وفات کا پیغام پڑھ کر آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ مجھے وہ دن یاد آتے ہیں جب وکلاء تحریک کے دوران جیوٹی

وی کے دفتر پر حملہ ہوا اور اگلے دن قاضی صاحب مجھے کہہ رہے تھے ''گھبرانا نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں!''

قاضی صاحب آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے!

☆ سر پر ہاتھ رکھنے والی پہلی شخصیت قاضی حسین احمد تھے!

(کشمیری رہنما سید علی گیلانی، ثناء نیوز)

قاضی صاحب کی وفات سے کشمیری عوام اپنی جدوجہد آزادی کی سرپرستی کرنے والی بڑی شخصیت سے محروم ہوگئے۔ جب مقبوضہ کشمیر سے لٹے پٹے لوگ لائن آف کنٹرول عبور کر کے آزاد کشمیر گئے تو ان کے سر پر ہاتھ رکھنے والی پہلی شخصیت قاضی حسین احمد تھے۔ ہم کشمیر کاز کے لئے قاضی حسین احمد کی خدمات کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ قاضی حسین احمد بلاشبہ، عالم اسلام کی بڑی شخصیت تھے جو ہمیشہ مسلم امہ کے اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔

☆ جماعت کے مقبول امیر (اداریہ روزنامہ ایکسپریس، 7 جنوری)

بلاشبہ جماعت اسلامی کے بانی امیر، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بعد جماعت کے جس امیر کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ملی وہ قاضی حسین احمد ہی تھے، مرحوم قاضی صاحب سیاسی مدبر کے ساتھ ساتھ عالم دین بھی تھے۔

☆ وہ ایک شخص کہ جس نے بشارتیں دی تھیں!

(ذبیح اللہ بلگن، ''خبریں'' 8 جنوری)

موٹروے پر پیش آنے والے اس واقعہ کو میں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا جب ہماری گاڑی دو تین قلابازیاں کھاتی ہوئی بجلی کے پول کے ساتھ ٹکرائی تھی۔ وہ تو بھلا تو کہ ہم اس وقت دو گاڑیوں میں اسلام آباد جا رہے تھے۔ لہٰذا ہم اپنے پیچھے آنے والی دوسری گاڑی میں سوار ہوگئے اور ایک بار پھر اسلام آباد کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ محترم قاضی صاحب گویا ہوئے، آپ لوگوں کو چوٹ تو نہیں آئی؟

میں نے عرض کیا، الحمدللہ ہم محفوظ رہے ہیں۔ اس پر فرمانے لگے: ''دیکھو، اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا ہے۔ یہ اس کی ہم سے محبت ہے لہٰذا کسی کو بتانے سے لگے گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی شکایت کر رہے ہیں!''

☆ امیر جماعت اسلامی محترم منور حسن صاحب کا، قاضی صاحب کو خراج عقیدت (فیس بک)

قاضی حسین احمد کے جانے سے ایک باب بظاہر بند ہوگیا ہے لیکن اپنی سعی اور جدوجہد کے نتیجے میں اور با مقصد زندگی گزار کر لوگوں کے سامنے ایک مثال پیش کرنے کے نتیجے میں، قاضی صاحب کئی ابواب کھول گئے ہیں!

☆ آنکھیں ڈبڈبا گئیں (اسد اللہ غالب، روزنامہ ایکسپریس، 7 جنوری)

قاضی صاحب، آپ بھی چلے گئے، ''گزری شب کو ایک ایس ایم ایس موصول ہوا، ''ظالمو! قاضی

چلا گیا۔‘‘ تو آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

☆ قاضی کی جدائی سے پاکستانی سیاست کو دھچکا لگا۔ نواز شریف (ایکسپریس 10 جنوری)

میں نے نگران وزیر اعظم کے لئے قاضی صاحب کا نام تجویز کیا تھا۔ قاضی حسین احمد نے اپنی بساط سے بڑھ کر مسلمانوں اور پاکستان کی خدمت کی، وہ کھرے انسان اور سچے سیاست دان تھے۔

☆ ’’شاندار اسلامی انقلاب کی نوید سنانے والا‘‘ (مہتاب عزیز، ایقاظ ویب سائٹ)

آج وہ نہیں رہا تو معلوم ہوا کہ وہ کتنا سایہ دار شجر تھا۔ آج ’’میرے عزیزو‘‘ کی صدا ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔ ’’شاندار اسلامی انقلاب‘‘ کی نوید سنانے والا اس بستی سے کوچ کر گیا۔

☆ ’’وہ بڑے اخلاص والے تھے‘‘ مشاہد اللہ، مسلم لیگ (ن) (کیپٹل ٹاک، جیو، 7 جنوری)

بڑے بہادر آدمی تھے، قاضی صاحب کی خاصیت یہ تھی کہ وہ میاں نواز شریف کو بیٹا کہتے تھے۔ وہ بڑے اخلاص والے تھے، بہت کم ایسے ہوتے ہیں کہ کسی پارٹی میں ہوتے ہوئے تمام پارٹیوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں، چونکہ ان کے اخلاص پر کسی کو شبہ نہیں ہوتا۔

؎ ہو گئے دور راہبر کیا کیا
چھن گئے ہائے ہمسفر کیا کیا!

☆ اللہ کے راستے میں آخری دم تک...... (محمد فاروق چوہان، نوائے وقت 7 جنوری)

حال ہی میں اسلام آباد کے کنونشن سینٹر میں ملی یکجہتی کونسل کے زیر اہتمام ’’انٹرنیشنل علماء ومشائخ کانفرنس‘‘ کے بعد قاضی صاحب نے پریس کانفرنس میں کہا کہ ’’ہمیں موت کا کوئی خوف نہیں ہے اور ہم کسی کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے بلکہ اللہ کے راستے میں آخری دم تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔‘‘

☆ منصورہ، قاضی صاحب کے بعد (شمائلہ جعفری۔ بی بی سی رپورٹ)

شہناز، قاضی صاحب کی گھریلو ملازمہ ہے جو یہ اطلاع سن کر بھی واپس جانے پر تیار نہ ہوئی۔

’’چولھے میں آگ نہ بالی، یاد کر کر کے میرے دل کو کچھ ہوگیا، اتنا اپنے باپ کو یاد کر کے نہیں ہوا تھا، میں اس وقت سے رو رہی ہوں...... ہائے تالا لگ گیا!

☆ قاضی صاحب کے آخری انٹرویو:۔

☆ میری سب سے بڑی خواہش قومی اتحاد و یکجہتی اور مذہبی قوتوں کا انتخابی اتحاد ہے۔ (روزنامہ ’’دنیا‘‘ 3 جنوری)

☆ ملک کو اسلامی ریاست دیکھنا چاہتا ہوں، مسلم ملک مذاکرات کے لیے پلیٹ فارم مہیا کریں تو افغان مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ حالات خوفناک صورتحال کو جا رہے ہیں۔ (روزنامہ ’’نئی بات‘‘)

☆ ترقی کے لئے جمہوریت ہی واحد راستہ ہے، ڈکٹیٹر شپ اور فوجی آمریت متبادل راستہ نہیں (آخری ٹی وی انٹرویو ’’ثناء نیوز‘‘)

☆سیاسی لیڈروں کا بھی فرض ہے، اعتدال اور میانہ روی سے، ڈائیلاگ اور افہام و تفہیم سے کام لیں، اس کی بہت زیادہ ضرورت بلوچستان میں ہے۔(کیپٹل ٹاک، جیو، 16 فروری 2012)

☆سراج الحق صاحب کا خراج عقیدت (کیپٹل ٹاک، جیو، 7 جنوری)

وہ کہا کرتے تھے، پوری قوم میرے لئے ایک جماعت ہے اور پوری امت میرے لئے ایک جماعت ہے۔

☆قاضی صاحب کی سیاسی وراثت جماعت اسلامی ہے، لیاقت بلوچ (بی بی سی رپورٹ)

☆سمجھ نہیں آتی، مجھے قوم سے تعزیت کرنی چاہیے یا قوم مجھ سے تعزیت کرے! آصف لقمان قاضی (روزنامہ ''نئی بات'')

☆انہوں نے عمر بھر حق کا پھریرا لہرایا اور طاغوت کے خلاف نبرد آزما رہے۔(مجلس احرار)

☆قاضی صاحب، ہر مسلم کے دکھ میں شامل ہونے والے مسیحا تھے۔(جسارت۔حزبِ اسلامی)

☆اتحاد بین المسلمین کے لئے کوششیں فراموش نہیں کی جاسکتیں۔(ایرانی قونصل جنرل۔ Daily Motion)

☆پاک ترک دوستی مضبوط کرنے میں ان کا کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا!(طیب اردگان، ترکی Daily Motion)

☆دی نیشن (jan 6)

Veteran JI Leader buried amid tears and prayers. He was solid voice against the Sectarianism and violence, said leaders.Bishop Alexander Johan Malik expressed sorrow and grief on the demise of Qazi Hussain Ahmad.He said that the late Qazi was a good friend and prayed that may his soul rest in peace.

☆دی نیوز (Jan 7)

Qazi laid to rest in Ziarat Kaka Sohib:Many mourners were seen crying, while some resorted to sloganeering.....Some workers started the one-time popular JI slogan.

Hum Betey Kis Ke: Qazi Ke!(We are all Qazi's sons''

ڈان۔اداریہ (jan 7)

During his leadership, the JI's city-governiment in Karachi initiated major development projects that were often cited as examples of the party's organisational skills.

☆ قاضی صاحب کا آخری اجتماع عام سے خطاب (مینار پاکستان اکتوبر 2008)

''آپ سے بچھڑنے کا جی نہیں چاہتا، میرے عزیزو! آپ کا بھی نہیں چاہتا، میرا بھی نہیں چاہتا، لیکن

انشاء اللہ رب کی رحمتوں کے سائے میں، آپ سے جنت میں ملاقات ہوگی!

☆ قاضی صاحب کی پانچوں براعظموں میں غائبانہ نمازِ جنازہ ادا۔ (جسارت نیوز)

☆ کارکنان کا خراج عقیدت، فیس بک پر:

☆ قاضی تیرے جانے سے سوگوار ہو گئے
اک بار نہیں ہم تو ہزار بار ہو گئے
(البدر کمپیوٹر ورلڈ، دروش، چترال)

☆ ہم تو سو چلے ہیں میرے بیٹو اور عزیزو
پرچم اسلام تھام رکھنا، سب پرچموں کو چھوڑ کر
(الطاف حسین ڈاہر)

☆ نہ ڈرتا تھا کسی نمرود سے جو
وہ قاضی اپنا میرِ کارواں تھا! (مختار حسین شارق)

☆☆☆

فریدہ عظیم

# کروڑوں دلوں میں بسنے والا!

یہ کیسی حسین رات ہے...... زمین و آسمان دونوں خوش ہیں!

زمین بے چین ہے، منتظر...... اپنی گود وا کیے ہوئے......آج وہ ہستی اس کی آغوش میں آنے والی ہے جو دنیا میں چلتے پھرتے اسے پیاری لگتی تھی۔ آسمان پر جشن کا سماں ہے۔ فرشتے جوق در جوق آسمانِ دنیا سے زمین پر آرہے ہیں خوشبو میں لپٹا لباس...... اچھے اچھے کلمات......اور مالک دوجہاں سے مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کرتے ہوئے......زمین و آسمان نور سے بھر گیا ہے۔

محبت کرنے والے ماں باپ ، عزیز و اقارب، خلوتوں اور جلوتوں کے ساتھی سب اسی ہستی کے استقبال کیلئے جنت میں موجود ہیں۔

کتنی خوبصورت تقریب ہے! آج مہمانی ہے اس شخص کی جس نے آخرت کی فکر کی، اور خدا نے اسے دنیا کی فکروں سے بچائے رکھا۔ آج وعدوں کے پورا ہونے کا دن ہے۔ آج اپنے رب کی نعمتوں بھری جنتوں میں قیام کا دن ہے۔

ہاں کیوں نہ ہوا ایسا...... یہ غمگین چہرہ، اداس دل یہ ہلتے لب...... یہ آنسوؤں سے بھری آنکھیں...... یہ ایک دوسرے کو افسوس کے پیغام اور تعزیتوں کے فون...... یہ دعائے مغفرت...... یہ اپنے پرایوں کی گواہیاں...... سچی گواہیاں! ہاں میرا رب ان سب کو قبول کر چکا ہے۔

میں ایک عام سادہ سی جماعت کی کارکن رات سے سوچے ہی جا رہی ہوں۔ ایک انمٹ نقش ہے جو میرے تصور سے چمٹ گیا ہے۔ محترم امیر جماعت کا نورانی چہرہ......منظر ہے کہ ایک کے بعد ایک چلا آرہا ہے۔ جیسے کہ البم ہو، نوابشاہ کا مسجد روڈ، جماعت اسلامی کا دفتر ، پورے روڈ پر جماعت اسلامی کے کارکن......اپنے امیر جماعت کو بازوؤں کے گھیرے میں لئے اسٹیج پر چڑھ رہے ہیں۔ مجھے یاد نہیں آرہا کہ زمانہ طالبعلمی کے کس دور میں تھی جماعت سے متعارف تو تھی مگر شامل نہیں تھی۔

روڈ کے دائیں طرف اوپر کی بلڈنگ سے جلسے کا سارا منظر آرہا تھا۔ ایک جوش اور ولولہ تھا جس سے لوگوں کے چہرے میں دل ہی دل میں اس عظیم ہستی سے مرعوب ہوتی جا رہی تھی۔

شاید اس لئے کہ خدا مجھے بھی ان کی رہنمائی میں کھڑا کرنے والا تھا۔

دوسرا منظر مرکز خواتین منصورہ کے باہر مسجد سے نکلتے ہوئے......کبھی ہمارے پروگراموں میں اپنی خوبصورت باتوں

سے امنگ ولولے پیدا کرتے ہوئے۔

یہ میرا دل ہی یوں نہیں دھڑک رہا...... ہمک رہا......

یہ تو ساری جماعت کی کیفیت ہے۔ ہر شخص افسردہ ہے۔ قاضی صاحب کی باتیں کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔ ابھی خالدہ طارق کا فون امریکہ سے آیا تھا۔ سلام ودعا کے بعد پہلا جملہ ہی یہ تھا ''بہت افسوس ہوا قاضی صاحب کا سن کر...... ہم رات ایک بجے سے نیٹ پر دیکھ رہے ہیں سچ جانیں ایسا لگ رہا ہے ہمارے گھر میں کوئی فوتگی ہوگئی ہے۔'' پھر کہنے لگیں ''میرے میاں نے پاکستان سے فون پر بتایا تو وہ رو رہے تھے۔ حالانکہ میرے میاں تو جماعت میں نہیں۔ امت مسلمہ کا بڑا نقصان ہوگیا۔ ہم سب اس کمی کو کبھی پورا نہیں کرسکیں گے۔ پتا ہے آپ کو جب کارواں چلا تھا تو قاضی صاحب اوران کی فیملی کو ایئرپورٹ سے لے کر میں آئی تھی اور بھی بہت سی یادیں ہیں جو مجھے دکھ دے رہی ہیں۔ ان کے گھر میں سمیحہ اور بیگم قاضی کہتی تھیں کہ ''خالدہ طارق جماعت اسلامی کی بے نظیر ہیں۔''

خالدہ بہن سے بہت محبت سے بیتے ایام یاد کررہی تھیں اور میں سوچ رہی ہوں لاکھوں کروڑوں دلوں میں رہنے والے شخص کیلئے میرے رب نے کیا کیا انتظام کررکھے ہوں گے...... کون کون پذیرائی کے لیے جمع ہوگا۔

کاش میں دیکھ سکتی!

ہاں میں دیکھ سکوں گی...... جب میرا انجام نور والوں میں ہوگا۔ ان شاءاللہ۔

☆☆☆

# اپنی دنیا آپ پیدا کرنے والے!

محترم قاضی حسین احمد صاحب دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے ہیں مگر دل و دماغ اس حقیقت کو قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ اگرچہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے مگر خوش قسمت ہیں وہ شخصیات جن کی اموات انسان کو وہ کچھ سکھا دیتی ہیں جو بہت سی تربیت گاہیں بھی نہیں سکھا سکتیں۔ منصورہ کی رہائشی ہونے کے ناطے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارا منصورہ اداس ہے ہر انسان اس دکھ کو بمشکل برداشت کر رہا ہے اور کیوں نہ ہو! ایک عالم کی موت کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی قاضی صاحب مسکراتے چہرے سے مسجد سے نکلیں گے اور لوگوں سے مل رہے ہوں گے۔

قاضی صاحب تو دعوت دین کے حوالے سے اپنے حصے کا کام کر گئے اور ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر گئے ہیں کہ ؎

دیے بہر سو جلا چکے ہم تم ان کو آگے جلائے رکھنا

ایک پارٹی کا لیڈر ہونے کے باوجود محترم کی کچھ صفات انھیں دیگر لیڈران سے ممیّز کرتی ہیں۔

شفقت و محبت ان کی شخصیت کا خاص حصہ تھی۔ اس سلسلے میں امیر غریب، چھوٹے بڑے کی تفریق نہ تھی۔ نہ صرف اپنے ہمنواؤں سے بلکہ اپنے مخالفین کے ساتھ بھی دلی محبت سے ملتے۔ ان کی اس خوبی کی وجہ سے ہر طبقہ فکر کے لوگوں نے ان کے جانے پر دلی دکھ کا اظہار کیا ہے۔ محترم کے زیر تربیت رہنے کی وجہ سے یہ خوبی ان کے تمام بچوں اور اہلیہ محترمہ میں بھی موجود ہے۔ محترمہ سمیحہ راحیل قاضی صاحبہ کے خاوند کی وفات کے بعد جس طرح ان کے والد صاحب نے محبتیں نچھاور کیں اس کی مثال بہت کم ملے گی۔ اپنے نواسے محمد کی شادی پر دور و نزدیک کے ہر شخص کو بلایا۔ منصورہ کے رہائشیوں میں سے شاید ہی کوئی وہاں موجود نہ ہو۔ سیاست میں اختلاف رکھنے والوں کو بھی کھلے دل سے ہر تعصب سے بالاتر ہو کر مدعو کیا اسی لیے خواتین کے پنڈال میں محترمہ کلثوم نواز شریف، مریم نواز، محترمہ عابدہ حسین اور محترمہ تہمینہ دولتانہ بھی موجود تھیں۔

محترمہ سمیحہ راحیل قاضی کو اپنے والد سے خصوصی لگاؤ تھا جس کا اندازہ ان کی تقاریر اور گفتگوؤں سے ہوتا ہے۔

منصورہ کے رہائشی بچے قاضی صاحب کو کبھی نہ بھولیں گے۔ میرا بیٹا یحییٰ بہت غمزدہ ہے کہ میں تو ان

کی گود میں بیٹھا انھوں نے مجھے پیار کیا تھا۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں کہ بیٹا صرف تم نہیں منصورہ کے اکثر بچے یہی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔

انھیں اقامت دین کے لیے جماعت اسلامی کی جدوجہد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ پشاور میں بہترین گھر بار چھوڑ کر منصورہ کے دو کمروں کے چھوٹے سے فلیٹ میں رہائش پذیر تھے۔ حالانکہ منصورہ میں امیر جماعت کے لیے علیحدہ سے بڑا گھر بنایا گیا ہے مگر انھوں نے اس گھر کو دارالضیافہ (گیسٹ ہاؤس) میں تبدیل کر دیا اور خود عام فلیٹ میں رہنا پسند کیا اور ۳۵ برس وہیں گزار دیے۔

دعوتِ دین سے عشق انھوں نے اپنے بچوں میں بھی منتقل کیا۔ قاضی صاحب کے چاروں بچے رکن جماعت ہیں اور خصوصاً محترمہ راحیل قاضی بے حد متحرک ہیں۔

وہ اعتدال پسند مذہبی رہنما تھے۔ انھوں نے ہمیشہ جمہوریت کی بات کی۔ وسعت قلبی ان کا وصف خاص تھی۔ قاضی صاحب ایسی سیاست کے قائل تھے جس میں اختلاف شخصیات سے نہیں بلکہ نظریات سے تھا۔

جرات وہمت ان کے کردار کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ محترم قاضی صاحب کے تین بائی پاس ہو چکے تھے، عمر ۷۴ برس تھی۔ اس عمر اور بیماری کے لوگ بستر پر رہتے ہیں اور بزرگ کے طور پر خدمت کرواتے ہیں مگر وہ تو اللہ کے شیر تھے۔ بیماری کے باوجود ڈٹ کر اسلام کی خدمت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہاسپٹل میں ہیں طبیعت خراب ہے۔ پھر خیریت دریافت کرنے کی نوبت ہی نہ آتی اور پتہ چلتا کہ اسلام آباد اجلاس میں شریک ہیں۔ قاضی صاحب کی یہ بہت بڑی خوبی ہمارے لیے قابل تقلید ہے۔ تھوڑی سی بیماری آ گئی ہفتوں بستر پر پڑے ہیں۔ شادی آ گئی ہے پورا ماہ غائب ہیں۔ مہمان آ گئے ہیں عذرات شروع ہو جاتے ہیں اور اہم ترین اجتماع مس کر دیتے ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں نصب العین کا شعور تازہ نہیں ہوتا جبکہ قاضی صاحب سورہ یٰسین میں ''حَیًّا'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کی تفسیر تھے کہ وہ انسان زندہ ہے جو شعوری طور پر دین کی خدمت کرتا ہے اور اپنی صلاحیت، وقت اور مال اللہ کی راہ میں لگاتا ہے اور وہ انسان زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے جو دین کی خدمت نہیں کرتا۔ اگر ہم واقعی قاضی صاحب سے محبت کرتے ہیں تو ہم بھی وہ کام کریں جو وہ کر گئے ہیں اور اپنی رفتار کا جائزہ لیں کہیں ہم بھی عذرات کا شکار تو نہیں!

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے، ضمیر کن فکاں ہے زندگی

☆☆☆

نصرت یوسف

# فوزِ عظیم

دنیا بے حد خوبصورت اور بے حد دلکش ہے، مگر اس کی خوبصورتی وہی محسوس کر سکتا ہے جس کا دل خوش ہو۔ ورنہ دنیا تو وہی ہوتی ہے۔ لیکن کسی کے لیے محض قید اور دکھ کا طویل عرصہ گزارنے کی جگہ بن کر رہ جاتی ہے۔ گویا انسان کا دل ہی اصل میں خوشی، دلکشی، رعنائی اور غم کے احساسات پیدا کر کے منظر بنا دیتا ہے۔ کتنے قیمتی ہوتے ہیں وہ نفوس جو دوسرے انسانوں کے دل کو پرسکون کرنے اور رکھنے کے لئے اپنی جان کھپا دیتے ہیں۔ یہ کام بھی وہی کر سکتا ہے جس کا اپنا دل اپنے خالق اور مالک کی محبت میں خوش ہو۔ جس نے اپنے آپ کو رب کی رضا میں راضی کر دیا ہو۔ اور رب کی رضا یہ ہے کہ انسان کے لئے سلامتی ہو، شر نہ ہو۔ انسان سراپا سلامتی بنتا ہی اس وقت ہے جب وہ اللہ کی بندگی میں فخر محسوس کرتا ہے، اس کی اطاعت اس کی زندگی کا محور بن جاتی ہے۔ جب بھی میں کسی ایسے انسان کی رحلت کی خبر سنتی ہوں جس نے رب اور رسول کی اطاعت میں زندگی کھپا دی تو بے اختیار دل ایک منظر کشی ضرور کرتا ہے جس میں فرشتے بڑی عزت واحترم سے اس کی روح کو تھامے عالم بالا کی طرف جا رہے ہیں اور وہ دنیا کے لیے بظاہر بے جان جسم مگر بے حد اور بے حساب خوش اور مطمئن۔ اللہ اس سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ اس کی خوشی اور مسرت کا احساس میرے اندر رشک کے ایسے جذبات پیدا کرتا ہے جو دنیا کے کامیاب ترین انسان کیلئے بھی کبھی نہیں آتے۔

یہ ہی جذبات میرے اس وقت بھی ابھرے جب پروفیسر غفور کی رحلت کی خبر ملی۔ پھر قاضی حسین احمد کے انتقال کا آدھی رات ایس ایم ایس ملا، آنکھوں نے پھر وہی منظر کشی شروع کر دی کہ ایک جشن کا سماں ہے اور دنیا سے جانے والا بے حد خوش۔ جانا ہر ایک نے ہے۔ جو پیدا ہوا وہ واپس جائے گا لیکن اللہ جسے ''فوزِ عظیم'' کہتا ہے وہ مل جائے تو کیا ہی کامیابی ہے اور کیا ہی شاندار نتیجہ۔ میرا قاضی حسین احمد یا اور کسی بڑے سرکردہ سے براہ راست کوئی تعلق کبھی نہیں رہا لیکن ان کی زندگی بھر کی جدوجہد اور اللہ کے وعدے ایسے بندوں کے لئے دل میں ان کو قابل رشک بنا دیتے ہیں، میری آنکھیں لگتا ہے ان کو جنت میں دیکھتی ہیں جہاں وہ ہر غم والم سے دور اللہ کے مہمان ہیں۔ وہ رب جو بے انتہا محبت کرنے والا اور بے انتہا مہربان غفور ورحیم ہے۔ ان سعید روحوں کی موت پر دکھ سے زیادہ رشک سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں کہ کیا کچھ اللہ نے ان کے لئے نعمتیں رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی

سوچ تک انکی رسائی۔ یہ ہے اصل کامیابی اور یہ ہے حقیقی خوشی جو پائیدار ہے۔اور جس کو مہیا کرنے والا اپنے ایسے بندوں کی ضیافت کے لئے بے انتہا مہربان ہے، اتنا کہ کوئی اس کی مہربانی کو ناپ بھی نہیں سکتا۔میرا اپنے اللہ کے وعدوں پر یقین کہتا ہے کہ قاضی حسین احمد سمیت تمام اللہ کے سپاہی دنیا سے زیادہ دلکش مقام پر بے حد مطمئن اور مسرور ہیں۔

وہ تو اپنے حصے کا کام کرکے اپنے رب کی رضا کے کام کر چکے،اب جن کی سانسیں باقی ہیں یہ ان کو دیکھنا ہے کہ وہ اپنے لئے اپنے رب سے کیسی میزبانی چاہتے ہیں۔ وہ اپنے خالق کو راضی کرنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں،سلام ان تمام نیک روحوں پر چاہے وہ قاضی حسین احمد ہوں، پروفیسر غفور ہوں،حکیم سعید ہوں،ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ ہوں یا اور بے شمار، مجھے تو کراچی کے اسلم مجاہد بھی نہیں بھولتے۔ مجھے تو وہ جمعیت کے جوانِ شباب بھی نہیں بھولتے جو محض اس لئے مار دیئے گئے کہ وہ رب کی راہ پر تھے۔لیکن ان کی موت جیسے ان کو مزید محترم بنا جاتی ہے کہ کیا عمدہ مقام انشا اللہ انہوں نے پایا ہوگا۔ میں نام بہ نام سب کو نہیں جانتی لیکن اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ! جس طرح انہوں نے تیری رضا میں زندگیاں وقف کر دیں ہم بھی اور ہمارے پیارے بھی تیرے بن جائیں۔ جب ہم بھی تیری طرف لوٹیں تو ایسے کہ تُو ہم سے راضی اور ہم تجھ سے خوش ہوں۔آمین۔ثم آمین۔

☆☆☆

شہناز ماجد

# ہم عہد اپنا نبھا چکے ہیں

صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ٹی وی آن کیا تو قاضی حسین احمد صاحب کے انتقال پرملال کی خبر پڑھ کر ایک دم یوں لگا جیسے ہر طرف سناٹا چھا گیا ہو۔ ذہن پر ایک ایک ہی بات حاوی تھی...... آہ! قاضی صاحب ابھی آپ کی ملک وقوم کو عالم اسلام کو بہت ضرورت تھی۔ اس قحط الرجال دور میں ہمارے گناہوں کی سزا اس سے بڑی اور کیا ہوسکتی ہے کہ پروفیسر غفور احمد کو بچھڑے ابھی چند دن ہوئے ہیں۔ ابھی اس سانحہ سے سنبھل نہ پائے تھے کہ ایک اور شجر سایہ دار جس کی اس کڑی دھوپ میں اشد ضرورت تھی، داغ مفارقت دے گئے۔

اس کارگاہ حیات میں کتنے لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں مگر انہی لوگوں میں اللہ کے چنیدہ بندے بھی ہوتے ہیں جو اس دھرتی کا جھومر ہوتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں ان مٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔

یقیناً ہمارے پیارے قائد قاضی صاحب کی پوری زندگی ایک مجاہدانہ عمل کی تصویر ہے وہ ایک محبّ وطن پاکستانی تھے۔ وہ کسی بھی محفل میں پاکستان کو اپنے قول وفعل کا عنوان بنا لیتے تھے۔ وہ ایک بے مثال مقرر تھے ان کی تقریر علم وعرفان کا ایک جھرنا بن جاتی تھی۔ ٹی وی سکرین پر ان کو دیکھ کر میں تو سب کام بھول جاتی۔ خوبصورت شخصیت اور ان کا انداز بیاں مسکراتا چہرہ، مدلل گفتگو میرے قدم وہیں رک جاتے۔ جب تک آپ کا انٹرویو جاری رہتا، کوئی کام یاد نہ رہتا۔

اکثر اینکر پرسن کی تند وتیز گفتگو پر ہمیں غصہ آتا مگر قاضی صاحب مسکراتے چہرے اور تحمل سے ہر سوال کا جواب انکساری اور بردباری سے اس طرح دیتے کہ سوال کرنے والا شرمندہ ہوجاتا۔

قاضی صاحب نے پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزار دی۔ 13 سال کی عمر میں مولانا مودودیؒ کے لڑیچر سے متاثر ہوکر جمعیت طلباء سے وابستہ ہوئے اور آخری دم تک اتحاد بین المسلمین کے لئے کوشاں رہے اور مذہبی جماعتوں کے ساتھ مل کر فرقہ واریت کے خلاف ناقابل فراموش خدمات انجام دیتے رہے۔ وفات سے چند دن پہلے اخبار میں خبر پڑھی کہ دفاع پاکستان کونسل میں عہدہ صدر کیلئے ووٹنگ ہوئی۔ حافظ حسین احمد کو 5 ووٹ ملے جبکہ قاضی صاحب کے 16 ووٹ تھے۔ حافظ حسین احمد نے کہا میں ان نتائج کو نہیں مانتا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ چھوڑیں ان نتائج کو آپ ہی صدر بن جائیں۔ یہ خبر پڑھ کر میرے

دل میں قاضی صاحب کا مقام اور بھی بلند ہوا اور دعا کی کہ یا اللہ ایسے قیمتی اثاثوں کو لمبی اور صحبت والی عمر عطا فرمانا مگر چند دن بعد یہ سانحہ رلا گیا۔

ے کڑے سفر کا تھکا مسافر
تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کر لیں
ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے
ہم عہد اپنا نبھا چکے ہیں
تم عہد اپنا بھلا نہ دینا

☆☆☆

# ان کی لحد پہ مولا تا حشر رحمتیں ہوں

۶؍جنوری کی دھند زدہ صبح میں خون کو منجمد کردینے والی خبر سے رگ و پے میں مزید اداسی سرایت کرگئی۔ آنکھیں جانے خلا میں کیا تلاشنے لگیں۔ دماغ ایسا خالی ......تمام سوچیں جانے کہاں گم ہوگئیں ۔ یہ کیا ہو گیا ...... کیوں ہوگیا؟ کیسے وقت میں جبکہ ان کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی؟

ہمارے لیے شجر سایہ دار ...... سائباں ہمارے محترم بزرگ ہم سے جدا ہو گئے یوں لگا جیسے گھر کا کوئی سربراہ ہم سے رخصت ہو گیا ہے۔ ابھی اس کیفیت میں گرفتار تھی کہ اچانک ایک غیبی آواز نے چونکا دیا کہ جب پیارے نبیؐ کا وصال ہوتا ہے تو حضرت عمرؓ کی کیا کیفیات اور جذبات تھے۔ محبت کی وارفتگی کا یہ عالم کہ تلوار نکال کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ خبردار کسی نے یہ کہا محمدؐ اب اس دنیا میں نہیں ۔ میں سر قلم کر دوں گا۔ ایسے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ اور وحی الٰہی کی یاد دہانی:

''محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے ہیں انھیں وہ اس کی جزا دے گا۔'' (آل عمران ۱۴۴)

ان الفاظ کی گونج نے سمجھایا کہ رب کے فیصلے اس کی حکمتیں مصلحتیں ہم ناداں کیا جانیں! ہماری سوچوں سے کہیں بالاتر اس کے فیصلے ہیں۔ اللہ کے دین کا کام ہوتا رہا ہے ہوتا رہے گا، اس میں ہمارا کتنا حصہ ہے اس پر غور وفکر کرنا ہے۔ جانے والی ہستی کا ہم سے تعلق کس بنیاد پر تھا اُن کی زندگی میں ہمارے لیے کیا پیغام ہے۔ یہ ہمارے لیے اہم ہے۔

بلاشبہ قاضی حسین احمد نے اپنی زندگی جوانی سے لے کر آخری ایام تک رب کی رضا کے حصول کے لیے وقف کر دی تھی۔ اقامت دین، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے کرتے رب سے اس حال میں جا ملے کہ ان شاء اللہ وہاں اُن کا استقبال بہترین تسلیمات کے ساتھ ہوا ہو گا۔ تحریک کا بہترین نگینہ، گوہر نایاب ......ایسی ہستیاں تو صدیوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔

محترم قاضی صاحب ایک بارعب، ولولہ انگیز تحریک کے روحِ رواں، عزیمت کے راستوں پر چلنے والے، استقامت کا سبق دینے والے، جدوجہد کی اعلیٰ مثال اور ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ مجھے تو اُن سے

یہ بھی ایک نسبت ہے کہ وہ میرے آبائی شہر نوشہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔اُن کی پرورش،اُن کا ماحول،اُن کی زبان،اُن کی ثقافت ملک کی اس سرحد سے ہے جہاں کے لوگوں کی غیرت اور محبت میں کسی کو شک نہیں۔ بہترین میزبانی، وضع داری اور رواداری جو قاضی صاحب کی شخصیت کا حصہ تھی،اس مٹی کا خاصہ ہے۔ پہاڑوں جیسا عزم وحوصلہ، ہمت و جذبہ رکھنے والے ...... چٹانوں جیسی مضبوطی کردار رکھنے والے، اپنے مخالفین سے بھی اپنی صداقتوں کی،اخلاق کی داستانیں سنوا گئے۔

یہاں ایک چیز اور جو قاضی صاحب کے جانے کے بعد شدت سے محسوس ہوئی کہ ہم زندہ انسانوں کی محبتوں کی قدر اُن کی زندگی میں نہیں کرتے۔کیوں؟ بھلے بعد کی اچھی گواہیاں بھی ریکارڈ کی جارہی ہیں لیکن ہمیں اپنے بزرگوں (بالخصوص تحریکی سینئرز) کا ان کے تجربات کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔

خالق کائنات کی بنائی اس دنیا میں اربوں انسان زندگی کی رونق ہیں۔ بے شمار انساں ایسے ہیں جن کو تاریخ بناتی ہے لیکن کچھ ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو تاریخ کو ترتیب دیتی ہیں۔ایک ایسی ہی ہستی دنیا بھر میں جہادی قوتوں کی پشتیبانی کرتے ہوئے، دین کا درد اپنے سینے میں سموئے ہوئے،وطن عزیز میں اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کرتے ہوئے، پوری امت مسلمہ اور مختلف دینی طبقات کے اتحاد کی کوشش کرتے ہوئے اپنے رب کی رضا کے حصول میں زندگی کھپاتے ہوئے اپنے رب کے حضورؐ پہنچ چکی ہے۔

؎ وہ صداقتوں کا گواہ تھا،جو صریح صدق سے جاملا

☆☆☆

شہزاد اسلم مرزا

# قاضی بابا......چمن ویران کر گئے

اس دنیا میں دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں ایک وہ جو اپنے آپ کو حالات کے تھپیڑوں سے بچانے کے لئے وقت کے ہاتھ اپنی لگام دے دیتے ہیں اور زندگی جیسی انمول چیز کو بے مقصدیت کی ڈھلوان پر ایسے چھوڑ دیتے ہیں کہ وقت رخصت انہیں اندازہ ہوتا کہ پستی و ذلت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوسکا گویا کہ وہ زندگی نہیں گزار رہے بلکہ زندگی انہیں گزار رہی تھی اور دوسری طرح کے وہ لوگ ہیں جو وقت کے ہاتھ اپنی لگام دینے اور حالات کی رو میں بہنے کی بجائے ان کے سامنے مقصدیت کی ایسی دیوار بن جاتے ہیں کہ زندگی بھی اپنے اوپر رشک کرنے لگتی ہے اور وقت رخصت وہ محبت اور عقیدت کی ایسی بلندیوں پر ہوتے ہیں کہ ان کے بغیر تمام چمن ویرانہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ میرے قائد، مجاہد ملت قاضی حسین احمد کا شمار بھی ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف اپنی پوری زندگی جہد مسلسل کی عملی تصویر بن کر ایک عظیم نظریے کے مطابق گزاری بلکہ ہزاروں افراد کی زندگیوں کو بھی اس نظریے کی خوگر بنا دیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے 1995ء جماعت اسلامی کے اجتماع عام میں قیم جماعت سید منور حسن جماعت اسلامی کی رپورٹ پیش کر رہے تھے جب وہ اسلامی فرنٹ کی ہار اور قاضی صاحب کے استعفیٰ پر پہنچے تو انتہائی خوبصورتی اور دلکش انداز میں کہا ''جب قاضی حسین احمد نے جماعت کی امارت سے استعفیٰ دیا سارا ماحول بدل گیا ایسے لگا جیسے چڑیوں نے چہچہانا چھوڑ دیا ہو، کلیوں نے چٹکنے اور پھولوں نے کھلنے سے انکار کر دیا ہو۔'' اور اب کہ وہ رہبر اور قائد ہم میں موجود نہیں ہیں بالکل ایسا ہی لگ رہا ہے کہ صرف دل کی دنیا ہی اداس نہیں ہے بلکہ سارا ماحول اداس ہے نہ کسی بات پر مسکرانے کو دل چاہ رہا ہے نہ کچھ کھانے کی طرف دل مائل ہو رہا ہے۔ ہر چہرے میں بلکہ ہر طرف ایک اداسی ہے جس نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

بہرحال موت یقینی چیز ہے جو بھی اس دنیا میں آیا ہے ایک نہ ایک دن اسے چھوڑ کر جانا ہی ہے۔ لیکن جس طرح قاضی صاحب رخصت ہوئے وہ بھی عجب منظر تھا ہر آنکھ اشک بار تھی۔ خواتین ہوں یا مرد، ہم خیال افراد ہوں یا سخت نظریاتی مخالف، نوجوان ہوں یا بوڑھے سبھی غمگین اور رو رہے تھے میں نے ایک بزرگ

کو دیکھا جوتقریباً قاضی صاحب کی ہی عمر کا ہوگا یہ کہتے ہوئے انتہائی نڈھال تھے کہ قاضی صاحب کی وفات پر یتیمی کا احساس ہو رہا ہے۔اور یا مقبول جان نے بالکل ٹھیک عکاسی کی قاضی صاحب کے انتقال کی خبر سن کر ایسا لگا جیسے کمرے کی چھت ہے جو اڑ گئی ہے اور میں کھلے آسمان تلے کھڑا ہوں۔

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

قاضی صاحب کی زندگی کے ہزاروں ایسے گوشے ہیں جن پر تفصیل سے بہت کچھ لکھا جانا چاہیے اور لکھا بھی جا رہا ہے میں صرف دو باتوں کو سب کے ساتھ شیئر کرنا چاہ رہا ہوں۔

نوجوانوں سے محبت

اسلامی جمعیت طلباء کے ساتھ منسلک ہوتے ہی جو سیاسی اور نظریاتی شعور حاصل ہوا تھا اس میں قاضی صاحب کو ہی ایک قائد، لیڈر اور مربی کی حیثیت میں دیکھا اور سنا اور جو پہلا سیاسی نعرہ لگایا وہ یہی تھا کہ ''ہم بیٹے کس کے قاضی کے، ہم دیوانے کس کے قاضی کے، ہم پروانے کس کے قاضی کے'' کیا عجب مستی تھی اس نعرے میں کہ پورے جسم میں عقیدت اور محبت کی ایک بجلی سی کوند جاتی تھی اور یہ محبت صرف یکطرفہ نہیں تھی بلکہ قاضی صاحب بھی نوجوانوں کو ''میرے عزیزو، میرے جگر گوشو'' جیسے پیار اور محبت میں گندھے الفاظ کے ساتھ مخاطب ہوتے تو اپنائیت اور لگاوٹ کا ایسا رشتہ قائم ہو جاتا کہ ان کے نورانی چہرے سے لے کر ایک ایک لفظ تک دل میں اتر جاتا تھا۔

علامہ اقبالؒ کے شیدائی نے اقبالؒ کی طرح ہی نوجوانوں سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں جب بھی جمعیت کے ارکان سے مخاطب ہوتے فرماتے آپ لوگ امت کا مستقبل ہو۔آپ لوگوں کے درمیان آ کر اپنے آپ کو جوان محسوس کرنے لگتا ہوں۔آپ سے کھل کر باتیں کروں گا۔نوجوانوں کے متعلق اس قدر سوچتے کہ ایسے نوجوان جو طالبعلم نہیں ہیں یا جمعیت سے منسلک نہیں رہے انہیں بھی ایک بامقصد اور منظم زندگی دینے کے لیے پہلے پاسبان اور پھر شباب ملی بنا ڈالی۔اور نوجوانوں سے ہمیشہ یہی امید بھی رکھی اور تلقین بھی کرتے رہے کہ تم ہی تحریک اسلامی کا اثاثہ ہو اس لیے جہاں ظلم ہو کرپشن ہو، اسلامی اقدار کی پامالی ہو یا بیرونی مداخلت ہو تحریک اسلامی کا ہر اول دستہ بن کر سامنا کرو اور ناپاک عزائم خاک میں ملا دو۔قاضی صاحب کے جنازے میں تمام نوجوان اس عزم کا بھرپور اظہار کر رہے تھے کہ قاضی صاحب کے مشن کو انشاءاللہ ہم پورا کریں گے۔

دردِ مشترک اور قدرِ مشترک

بڑے لوگ ہمیشہ کچھ ایسی پر حکمت باتیں کہہ

جاتے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے اقوال زریں کا درجہ حاصل کرلیتے ہیں۔قاضی صاحب اتحاد بین المسلمین کے لئے ایک بات بار بار دہرایا کرتے تھے کہ سب لوگ درد مشترک اور قدر مشترک پر جمع ہو جائیں۔ میں نے جتنا بھی ان الفاظ کے متعلق سوچا حیران رہ گیا کتنے مفہوم کی بات کتنے مختصر الفاظ میں سمجھا گئے کہ وہ تمام خطے جہاں مسلمان تکالیف اور ظلم برداشت کر رہے ہیں اس درد کو محسوس کرتے ہوئے اور جہاں اختلافی مسائل ہیں نظرانداز کرتے ہوئے ان اشوز پر سب متفق ہوں جائیں جو سب مشترک ہیں تو سب کچھ کنڑول کیا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ قاضی حسین احمد داعی اتحاد امت تھے اسی لئے دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کیلئے آپ کا دل دھڑکتا تھا اور تمام اسلامی تحریکیں آپ کو امام کا درجہ دیتی ہیں جہاں بھی اسلامی تحریکوں کے درمیان اختلافات بنتے وہ قاضی صاحب سے رابطہ کرتے تھے۔کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان میں مسلمانوں کے قتل عام پر تکلیف میں اور مضطرب رہتے ہوئے یہی کہتے اور کوشش بھی کرتے رہتے کہ جب تک سب مسلمان اکٹھے نہیں ہو جاتے ان پر ظلم ہوتا رہے گا۔ان کے لئے دعا گو اور فکر مند رہتے تھے اور جب کچھ عرصہ پہلے عرب ریاستوں میں تبدیلی کی لہر چلی اور اسلامی تحریکیں منتخب ہوکر سامنے آئیں تو قاضی صاحب بہت خوش اور مطمئن تھے اور یہی کہتے تھے اب اس تبدیلی کی لہر پاکستان تک پہنچ کر رہے گی۔

پاکستان کو خاص منصوبہ بند کے تحت فرقوں میں تقسیم در تقسیم کر کے تشدد کو فروغ دیا جا تا رہا ہے ان حالات میں بھی قاضی صاحب بے چین اور دکھی رہتے تھے۔ان حالات میں قاضی صاحب حقیقی معنوں میں اتحاد بین المسلمین کے داعی بن کر سامنے آئے اور وہ دینی قائدین جو ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے وہاں سب جمع کر کے ایک ہی صف میں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہونے پر قائل کرلیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اس اتحاد کو برقرار رکھنے کیلئے کوشاں رہے۔کبھی ملی یکجہتی کونسل اور کبھی متحدہ مجلس عمل میں قاضی صاحب نے کلیدی کردار ادا کیا جس کی وجہ سے دینی ہم آہنگی اور سیاسی طور پر بھی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

اگر واقعی امت نے متحد ہونا ہے تو وہ درد مشترک کے فارمولے کو اپنا کر ہی ممکن ہے۔ اللہ قاضی صاحب کو جنت الفردوس سے نوازے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور تحریک اسلامی کے تمام کارکنان کو ان کے مشن کو پورا کرنے کی ہمت اور جرأت عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

احمد اسامہ طاہر

# کہتی ہے خلق خدا انساں بہت پیارا تھا وہ

عزم تھا اُس کا جواں ایمان کا دھارا تھا وہ

داعیِ دینِ خدا عظمت کا مینارہ تھا وہ

بہت سے لوگ آتے ہیں اس دنیا میں اور بہت سے دعوے کر کے حالات کے ہاتھوں یا کبھی ذاتی مفادات کے سامنے جھک جاتے ہیں اور وہ دنیا میں ہی اپنی زندگی جی لیتے ہیں۔لیکن قاضی حسین احمد کا وجود ہی اس کے برعکس ہے، انہوں نے بہت سے دعوے کیے، ان پر قائم بھی رہے اور پورا بھی اترے۔آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ بھی کیا۔سیاست اور اس کے ساتھ دین کی یکجائی کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔سادگی کی زندگی گزار کر آنے والی دنیا کو ''کمپلکس فری'' زندگی گزارنے کا قرینہ اور درس بھی دیا۔قاضی صاحب نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالم اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک میں بھی نمایاں فرد تھے۔ساتھ ساتھ انفرادی روابط بھی مضبوط تھے۔وہ صرف جماعت اسلامی کے ہی لیڈر نہیں تھے بلکہ تمام دیگر جماعتیں بھی ان کو اپنا لیڈر مانتی تھیں۔

میں آج لکھنے بیٹھا تو جذباتی سا ہو گیا۔قلم خود بخود ورق پر بھاگتا چلا جا رہا ہے۔جذباتی بھی کیوں نہ ہوتا۔''ہم بیٹے کس کے قاضی کے، ہم ساتھ جئیں گے قاضی کے، ہم ساتھ مریں گے قاضی کے، ہم دست و بازو قاضی کے، اور راشا راشا قاضی راشا'' کے نعرے مجھے گھٹی میں جو ملے تھے۔ماں بتاتی ہیں کہ میں چھ ماہ کا تھا تو تب سے ٹیپ ریکارڈ پر ترانے سنتا تھا۔تین سال کی عمر تھی تو ایک شادی میں قاضی صاحب تشریف لائے انہوں نے مجھے گود میں اٹھایا تو پہلا نعرہ یہ تھا ''ہم بیٹے کس کے قاضی کے'' 1995ء مینار پاکستان کا اجتماع عام 1999ء فیصل مسجد کا اجتماع عام 2003ء قرطبہ کا اجتماع عام 2006ء نوشہرہ کا اجتماع عام جامعہ پنجاب 2011ء میں پھر جمعیت کا اجتماع عام۔پھر اسلام آباد میں فیسٹیول ہوا غرض ہر جگہ ان سے ملنے کی آرزو ہر کسی کے دل میں ضرور جاگتی تھی۔

قاضی صاحب کو قریب سے دیکھنے کی خواہش ہمیشہ رہتی۔قاضی صاحب سے ہاتھ ملانے اور ان سے ماتھے پر بوسہ لینا بہت سکون دیتا تھا۔

ان سے مل کر روحانی سکون جو میسر ہوتا تھا وہ ناقابل بیان ہے۔میں میرے ناظم اور ساتھی ہنسی مذاق میں مجھ سے کہتے کہ ان کے تو قاضی صاحب سے میسج پر روابط ہیں۔میرا قاضی صاحب کا میسج پر 2009ء سے رابطہ تھا۔میں ان میسج کو اپنے پاس محفوظ کر لیتا۔حیرت بھی ہوتی تھی کہ وہ ایک دوست کی طرح مجھے سمجھتے تھے۔کسی بھی معاملے میں راہنمائی لینی ہوتی تو ان کو میسج کر دیتا تھا۔وہ مجھے میرے لیول پر آ کر سمجھایا کرتے

تھے۔

اسلام آباد سیکٹر میں شباب ملی کا یونٹ بنا کر کام کا آغاز کیا تو نوجوانوں نے اصرار کِیا اکہ ایک ناموس رسالت ﷺ کانفرنس کرتے ہیں میں اپنی پڑھائی میں مصروف تھا۔ قاضی صاحب کو فون کیا کہ کانفرنس کرنی ہے۔ اور حاضری 100 تک ہی ہوگی (میرا خیال تھا حاضری کا سن کر انکار کردیں گے ) کچھ وقت چاہیے کہنے لگے کہ میں اس ۷ انومبر کو نہیں موجود بعد میں کرلیں گے۔ معذرت قبول کرلیں۔ ہم نے آگے کردیا اور کسے معلوم تھا کہ اس آگے کر دینے کا مطلب قاضی صاحب سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونا ہے۔

میں رات کو دیر سے گھر آتا تو میری دادی امی اکثر مذاق کرتے ہوئے کہتی کہ قاضی نے میرے بچوں کو خراب کر دیا ہے 2003ء میں دادا ابو کی وفات کے بعد تعزیت کے لئے قاضی صاحب ہمارے گھر آئے تو ہم سب غم بھول گئے کہ کیا ہوا ایک بزرگ گیا دوسرا تو ہے لیکن اب وہ بھی نہیں رہا۔ قاضی صاحب نے اسلام آباد میں ریسرچ ادارہ بنایا ایک بار رابطہ ہوا تو کہنے لگے آپ بھی آئیں اور لکھا کریں رہنمائی لیں۔ لیکن میں ذاتی کوتاہی کی بنیاد پر حاضر نہ ہوسکا۔ کسے معلوم تھا مجھے پہلی بار لکھنا ہی قاضی صاحب کے بارے میں پڑے گا۔ آج قاضی صاحب کی وفات کو اگرچہ کافی ایام گزر گئے لیکن دل نہیں مان رہا۔ ۵ جنوری کی رات ایک بجے کا وقت بار بار آنکھوں کے سامنے گھومتا ہے۔ جب Twitter پر پڑھا اور سیڑھیوں پر بیٹھ گیا یقین ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ۱۰ بجے کے قریب تو انہوں نے Twitter پر الخدمت کے ساتھی کی شہادت کے متعلق Tweet کیا تھا۔ ساری رات آنکھوں اضطراب اور بے چینی میں گزر گئی۔ اور ابھی بھی میں سوچتا ہوں تو اضطراب پھر شروع ہوجاتا ہے۔ میرا قاضی صاحب کا جذباتی تعلق تو ابد تک رہے گا لیکن ۲۲ سال کا تعلق میری پیدائش سے لے کر اب تک کا وہ ختم ہوگیا ہے۔ انسان کی زندگی میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو اس کی زندگی پر گہرا اثر رکھتے اور چھوڑتے ہیں۔ قاضی صاحب ان افراد میں سے ایک ہیں جو میری زندگی پر گہرے اثرات چھوڑ گئے ہیں۔ اور اللہ ان کی محنتوں اور کوششوں کو قبول فرمائے اور جوارِ رحمت میں اعلیٰ درجہ پر جگہ عطا فرمائے آمین۔

خالق نے عطا کی تھی اسے جرأت کردار
وہ عالمِ پیری میں بھی تھا برسرِ پیکار
وہ شخص کہ تھا سعیِ مسلسل کا علم دار
آیا تھا گرانے کے لیے ظلم کی دیوار

☆☆☆

میر بابر مشتاق

# قاضی حسین احمد...... کچھ یادیں، کچھ باتیں

6 جنوری کی رات انتہائی سرد تھی۔ میرا جسم بخار کی شدت سے تپ رہا تھا اور سردی سے جسم کانپ رہا تھا۔ موبائل پر میسج تھے کہ دھڑا دھڑ آرہے تھے۔ میں نے موبائل اٹھایا تو رات کے دو بجے تھے۔ میں نے سوچا کہ اس وقت میسج کون کر رہا ہے جن کی تعداد 32 ہو چکی تھی۔ پہلا میسج دیکھا کہ قاضی حسین احمد صاحب کا انتقال......او میرے خدایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہر میسج میں یہی پیغام۔ آنکھوں سے آنسو رواں گئے اور گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔ وہ سارے مناظر آنکھوں میں گھوم گئے جب قاضی صاحب کو دیکھنے اور ملنے کا موقع ملا۔

اسلامی جمعیت طلبہ کی تربیت گاہوں اور اجتماعات میں سب سے پہلے میں نے قاضی صاحب کو کاروان دعوت ومحبت میں دیکھا جب وہ ہمارے شہر لالہ موسیٰ تشریف لائے۔ ترانوں کی گونج تھی۔ ''یہ دین جگمگائے گا، نور لا الہ سے، دور ہٹو سرمایہ دارو، پاکستان ہمارا ہے، دور ہٹو امریکی یارو پاکستان ہمارا ہے'' جیسے ترانے دلوں کو گرما رہے تھے۔ قاضی صاحب نے کچھ دیر کے لیے حاضرین سے خطاب کیا اور یہ قافلہ اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں ہو گیا۔

1993ء میں اسلامی فرنٹ کی شکست کے بعد اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے اجتماع ارکان میں قاضی حسین احمد کا پروگرام تھا جس کا بڑی بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا۔ ارکان کے بے شمار سوالات جو قاضی صاحب سے کرنا تھے۔ قاضی صاحب کی اجتماع میں آمد سے پہلے محترم ناظم اعلیٰ اظہار الحق بھائی نے اعلان کی کہ روئے زمین پر ہماری قابل احترم ہستی اس وقت ہمارے پروگرام میں شریک ہوگئی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ان کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تحریری طور پر سوالات کیے جائیں گے۔ کوئی کھڑا ہو کر براہ راست سوال نہیں کرے گا۔

اس کے برعکس جب محترم قاضی صاحب کو ان کے خطاب کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں آج خطاب نہیں کروں گا۔ بلکہ اپنے بچوں کے سوالات کا جواب دوں گا۔ وقت کی کوئی قلت نہیں، جب تک آپ سوال کریں گے میں جواب دوں گا اور ان شاء اللہ آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔ سوال آپ کھڑے ہو کر براہ راست مجھ سے کریں۔

سوالات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بعض سوالات انتہائی سخت تھے۔ سوال کرنے والے کو

سب غصے اور حیران نظروں سے دیکھتے تھے مگر قاضی صاحب تحمل کے ساتھ سنتے اور جواب دیتے۔ یہ طویل سوالات کی نشست تقریباً تین گھنٹے پر محیط رہی۔ بظاہر انتہائی مشکل صورتحال کو قاضی صاحب نے خوشگوار طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس وقت شاید ہی کوئی کارکن جمعیت ایسا ہو جس نے قاضی صاحب سے آگے بڑھ کر مصافحہ نہ کیا ہو۔

میرے ایک دوست جن کا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا وہ میرے ساتھ ایک روز لاہور آئے تو میں نے ان کو کہا کہ مجھے منصورہ میں کام ہے تو تم میرے ساتھ چلو۔ کہنے لگا اس شرط پر کہ قاضی صاحب سے میری ملاقات کروادو۔ میں نے کہا اگر قاضی صاحب منصورہ میں ہوئے تو ضرور ملاقات ہوجائے گی۔ ہم منصورہ پہنچے تو نماز عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ میں وضو کرنے کے لیے چلا گیا۔ وہ مسجد کے گیٹ کے باہر کھڑا ہو گیا۔ میں وضو کر کے آیا تو دیکھا کہ قاضی صاحب مسجد کی طرف آ رہے ہیں۔ میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے دوست کا رنگ بھی زرد ہو گیا۔ میں نے کہا کیا ہوا کہنے لگا وہ دیکھو قاضی صاحب آ رہے ہیں۔ میں نے کہا ڈرنے کی کیا بات ہے۔ کہنے لگا اکیلے آ رہے ہیں کوئی باڈی گارڈ ان کے ساتھ نہیں، انکو ڈر نہیں لگتا۔ میں نے کہا نہیں ہمارے رہنما صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اتنے میں قاضی صاحب قریب آ گئے اور انہوں نے خود ہی آگے بڑھ کر میرے دوست سے مصافحہ کیا۔ میں نے تعارف کرایا تو انہوں نے کہا۔ نماز عصر کے بعد آپ سے مہمان خانے میں ملوں گا۔ آپ میرے ساتھ چائے پئیں۔

میرے دوست کی حیرانگی دیکھنے والی تھی۔ حیران و پریشان وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ نماز کا کہا مگر اس نے جواب نہ دیا۔ نماز عصر کے بعد میں اس کو مہمان خانے لے کر گیا۔ قاضی صاحب بھی آ گئے۔ کچھ اور بھی ملاقات کرنے والے افراد موجود تھے۔ قاضی صاحب نے سب سے حال احوال پوچھا، چائے پی اور اٹھ کر چلے گئے۔ میرا ساتھی بار بار مجھے کہتا رہا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنے لیڈروں کے ساتھ اس طرح مل سکتا ہوں۔ ہمیں تو مقامی ایم این اے، ایم پی اے سے ملنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

اس کے بعد جماعت اسلامی اور قاضی صاحب کے بارے میں ہمیشہ اس کے جذبات قابل قدر رہے۔ بلکہ الیکشن میں اس نے جماعت اسلامی کو ووٹ دیا۔

قاضی حسین احمد کی متاثر کن شخصیت سے اپنے غیر سب بڑے متاثر تھے۔ جماعت اسلامی کے لیڈروں کا تعلق متوسط طبقے سے ہوتا ہے۔ ان سے ملنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔ منصورہ میں ابلاغ عامہ کے حوالے سے ایک ورکشاپ میں قاضی صاحب کا ایک لیکچر سننے کے موقع ملا۔ انہوں نے ایک واقعہ سنایا جو میں پڑھنے والوں سے شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی

صاحب نے بتایا کہ 70 کے عشرے میں حج کے لیے بیت اللہ گیا۔ ایک دن وہاں بارش ہورہی تھی۔ میں بارش سے بچنے کے لیے دوڑ رہا تھا کہ گیارہ برس کا بچہ احرام باندھے جارہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر عربی میں کہا حاجی صاحب اللہ کی رحمت سے بھاگ رہے ہو؟ میں اس کے الفاظ سن کر وہیں رک گیا۔ بچہ تو آگے بڑھ گیا۔ لیکن مجھے حیران کر گیا۔ مختصر الفاظ میں اپنی بات کہنا ایک فن ہے۔

قاضی حسین احمد کی زندگی جہد مسلسل اور عمل پیہم سے عبارت تھی اور ان کی موت ایک عالم کو اداس کر گئی۔

مولانا نعیم صدیقی کی نظم کا ایک بند قاضی حسین احمد مرحوم ومغفور کی نذر کرتا ہوں۔

وہ شخص اب یاں نہیں ملے گا
وہ شخص اب اک سحر کی صورت
جہاں میں پھیلا ہوا ملے گا
رہ خدا کے سپاہیوں کی
دعاؤں میں وہ رچا ملے گا
ستیزہ گاہوں میں جاں لڑاؤ
وہاں وہ خود تم سے آملے گا
وہ شخص اب یاں نہیں ملے گا

☆☆☆

انتخاب
ص۔ا

# فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا

90ء کی دہائی کے دوران احتجاجی تحریکوں میں قاضی حسین احمد کی جدوجہد پر مختلف کالم نگاروں کے تبصرے
جنہیں ان کی صاحبزادی ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی نے ترتیب دیا۔

## میرے ابو

ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی

میں اپنے کارکن ابو کو ہمیشہ پوسٹر لگاتے، نعرے بلند کرتے اور اسٹیج سجاتے ہوئے دیکھتی ہوئی بڑی ہوئی۔ میں نے انہیں الخدمت کے ٹرکوں کے ساتھ مزدوروں کی طرح دور دراز دیہات میں سامان تقسیم کرنے کے لیے جاتے بھی دیکھا اور لاکھوں کے مجمع میں اونچے اسٹیجوں سے وقت کے طاغوت کو للکارتے ہوئے بھی سنا۔ حلقۂ یاراں میں انہیں ریشم کی طرح نرم، سمندر کی طرح وسیع، شفقت سے معاف کر دینے والا، اپنوں کے درد پر تڑپ اٹھنے والا، محبت سے چمٹا کر گردن پر بوسہ دینے والا بھی پایا اور رزمِ حق و باطل میں آہنی اعصاب والے قائد کی حیثیت سے بھی دیکھا، گھوڑے کی پیٹھ پر ہر دم مستعد، قرونِ اولیٰ کے کسی لشکر کا مجاہد بھی پایا اور مڑ نے نہیں موڑ دینے، دبنے نہیں دبا دینے اور جھکنے نہیں جھکا دینے کی صلاحیت رکھنے والا بے باک و جی دار لیڈر بھی پایا۔ افغانستان میں برستی گولیوں سے لے کر بوسنیا کے جنگی میدانوں تک میرے آغا جان مجھے جب بھی ملے صفِ اول میں ملے! یہی نہیں ان کے بدترین مخالف، ان پر زبان طعن دراز کرنے والے بھی جب ان کے صاف اور اجلے کردار کی بات کرنے پر آئے تو الزام کا کوئی ایک چھینٹا بھی نہ اڑا سکے۔ مجھے اپنے ایسے ہی آغا جان پر فخر ہے جنہوں نے آج سے برسوں قبل سفرِ حج کے دوران ہم چاروں بہن بھائیوں کو مدینہ میں اصحاب صفہؓ کے چبوترے پر بٹھا دیا تھا اور پھر بھیگی پلکوں کے ساتھ دعا مانگی تھی کہ

”اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے معصوم بچوں کو اپنے دین کا نوکر بنا لے۔ ہم سے اپنی نوکری کا کام لے لے۔“

وہ زار و قطار روتے جاتے اور بس یہی جملے دہراتے جاتے تھے۔ ہم سب ان کی دعا پر آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آمین کہہ رہے تھے۔

(۲۴ اکتوبر ۲۰۰۷ء، پشاور)

## مردِ میدان قاضی حسین احمد

ہارون الرشید

قاضی حسین احمد کی شخصیت مسلم برصغیر کے تابناک

ماضی کی کئی منور روایتوں کی امین ہے۔خلق خدا انہیں ایک پشتون کے طور پر جانتی ہے اور وہ ایک پشتون ہی ہیں لیکن ان کے جدامجد ایک سلجوقی ترک تھے۔ان لوگوں میں سے ایک جو دریائے آمو کے اس پار سے دین حنیف کی مشعلیں تھامے ہند کے کارزار میں اترے تھے اور جو درباروں سے دور وادیوں اور میدانوں میں نور بھرتے اور خیر اور ایمان کی فصلیں پروان چڑھاتے رہے۔لیکن قاضی ایک پشتون بھی نہیں ہے، وہ ایک مسلمان ہے، جنہیں چودہ سو سال پہلے میدان عرفات میں بتادیا گیا تھا کہ گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر ہرگز کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ ہے۔

اس کی عملی زندگی کی ابتداء شخصیت کے دو نمایاں رجحانات کی گواہی دیتی ہے۔اولاً یہ کہ وہ سوچ سمجھ کر ذاتی رائے قائم کرنے اور پھر اس پر ڈٹ جانے والا آدمی ہے۔اس نے اسلامی جمعیت طلبہ اور اگلے مرحلے پر جماعت اسلامی سے وابستگی اختیار کی، جب کہ اس کا خاندان دیوبند سے وابستہ تھا، رفتہ رفتہ اس نے اپنے خاندان کے بہت سے لوگوں کو اس جماعت کی حمایت پر آمادہ کرلیا۔جو نئے عہد کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ تھی، جو زیادہ منظّم تھی، جس کا افق وسیع تر تھا اور جس میں زیادہ تعلیم یافتہ لوگ شامل تھے۔اس کا مطلب کیا ہے؟ یہ واضح ہے کہ وہ اپنے کردار اور ابلاغ میں ایک مبلغ کی کشش رکھتا ہے۔آپ ساری دنیا کو قدرت کلام سے مسحور کرسکتے ہیں، لیکن اپنے خاندان کو نہیں کرسکتے، جب تک کہ آپ میں گفتار کی حکمت اور سلیقے کے علاوہ کردار کا حسن اور آہنگ جلوہ گر نہ ہو۔کوئی خاندان اور کوئی ماحول خود ہیجان کا شکار ہوجانے والے ایک جذباتی اور جنونی آدمی سے متاثر نہیں ہوسکتا اور جب یہ پچھلی نسلوں سے چلے آنے والے مذہبی رجحانات کا مسئلہ ہو تو معاملہ اور بھی دشوار ہوجاتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جواں سال آدمی نے نہایت دوراندیشی کے ساتھ مستقبل کی منصوبہ بندی کی۔ تعلیم، ملازمت، کاروبار، معاشی استحکام، سیاست، پھر سارا وقت جماعت کے لیے، قوم کے لیے جہاد کے لیے۔قاضی حسین احمد کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے جہاد ایک بہت اہم لفظ ہے۔اگر کوئی جہاد کے معانی کا ادراک نہیں رکھتا تو اس بے پناہ آدمی کو کبھی نہ سمجھ پائے گا جو گاہے کمان سے نکلا تیر نظر آتا ہے۔نہیں، ایسا نہیں ہے۔

وہ ایک غیرت منداور بہادر آدمی ہے۔بہت غیرت مند، بے پناہ بہادر!

صدر غلام اسحاق خان نے حیرت سے کہا تھا ''پہاڑ کی طرح اٹل ارادے کا انسان''

لیکن وہ ایک صاحب عقیدہ آدمی ہے۔اس نے ایک نجیب ماحول میں جنم لیا اور اس ماحول کی عطا کردہ وضع داری ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے۔

کسی پارٹی کے سربراہ پر، خود جماعت اسلامی کے کسی رہنما پر اس شدومد سے تنقید نہیں کی گئی، جیسی قاضی

حسین احمد پر، حالانکہ وہ پہلے آدمی نہ تھے جن سے اختلاف ہو،لیکن ان پر تنقید کرنے والوں نے جس طرح مورچہ جمایا، اس کی کوئی مثال تلاش نہیں کی جاسکتی۔قاضی نے اپنی پالیسیوں کا دفاع کیا اور گاہے اصرار بھی،لیکن انہوں نے اپنی پالیسیوں میں تبدیلیاں بھی پیدا کیں۔ایک ہنگامی دور کا ایک پھیلا ہوا پیچیدہ معاملہ تھا جس میں بدگمانی حتیٰ کہ تنازع کے بعض پہلو بھی تھےلیکن قاضی صاحب نے حریف دشنام بننے سے انکار کردیا۔اس نے طعنہ سنا لیکن طعنہ دینے پر آمادہ نہ ہوا۔اس کے چہرے پر گاہے رنج کے آثار ابھرتے او رگاہے وہ ملال جو ایسے میں ہر صابر اور سعید آدمی کے بشرے پر نمودار ہوتا ہے لیکن اس کے لہجے کا حسن برقرا رہا۔وہ ملاقات اور دلجوئی کیلئے دوسروں کے ہاں چلا جاتا اوراس کا طرزِعمل یہ کہتا تھا کہ آخرکاراس بدگمانی اور غلط فہمی کا غبار ڈھل جائے گا۔آخرایک دن منظر کھلے گا اور حسن نیت پر گواہی دے گا۔

چٹان کی طرح ڈٹ جانے والے آدمی کی کردارکشی کی گئی جس نے دباؤ،ترغیب اور دھمکی کے سامنے جھکنے سے انکار کردیا تھا۔لمبی زبانوں والے قلمی محرروں نے جو درباروں کے کروفر اورشان وشکوہ سے مرعوب تھے،اس کے خلاف الزمات تراشے اوراس کے اجلے لبادے پر کیچڑ اچھالا۔ایسے گاہے اس پر بھی جلال کے لمحے آئے لیکن جب بھی فیصلہ کرنے کاوقت آیا،اس نے عالی ظرفی اور سیر چشمی کا مظاہرہ کیا۔وہ سیر چشمی جو کتابوں کے مطالعے سے پیدانہیں ہوتی،روایتوں سے جنم لیتی ہےاور ریاضیت سےنشوونماپاتی ہے۔

انسان کوخطا ونسیان سے بنایا گیا ہے۔قاضی بھی خطاسے پاک نہ تھے۔ ایک تاثر یہ ہے کہ جن ریاکار حلیفوں کےخلاف انہیں اعلان جنگ کرناپڑا،اپنے بعض رفیقوں اورفدائین کووہ ان کےکردار کی تفصیل سے آگاہ نہ کرسکے۔وہ جھجک اورتامل کا شکاررہے یااس ابلاغ کی اہمیت کاادراک نہ کرسکے یاشایداس کے لئے موزوں لہجہ نہ تراش سکےلہٰذا فیصلے کی ساعت میں انہیں اس قدر حمایت میسر نہ آسکی،جس کی وہ امید کررہے تھےاور جس کے وہ مستحق تھے۔قاضی آرزرہ تھے۔یہ شکست کا ملال نہ تھا،آہن وریشم کا آدمی شکست سے خوف زدہ نہیں ہوتا، لیکن اس وقت جب دلجوئی اورتالیف کی ضرورت تھی،اس شہسوار کا تمسخراڑایا گیااورکمال بے دردی کے ساتھ اڑایا گیا۔بھوکی انائیں گنے کارس پیتی تھیں اورکھوکھلے ظرف والے سنبھلتے تھےلیکن آندھی اورطوفان میں وہ کھڑا رہا۔ ایک طوفان اٹھتا اوراس کے پیچھے دوسرانمودار ہوتا لیکن اس کے دل میں یقین کی مشعل فروزاں آنکھوں میں چمک برقراررہی۔ان کے مقابل جو"کمتر برائی" پر ایمان لےآئے تھے،وہ کامل ایمان کا چراغ روشن کیے رہااور یہ چراغ خون جگر سے روشن ہوتا ہے۔

وہ آدمی جس کی صبحوں اورشاموں میں ہمیشہ تپاک اورگرمجوشی برقرار رہتی ہےاور جواپنی زندگی کی ردا کا تانابانا امیداورایمان سے بُنتا ہے،اب میدان میں کھڑا ہے،اس

وقت سارے سہل کوش سایہ دیوار کے آرزومند تھے، وہ تنہا دھوپ میں کھڑا ہوا اور مدتوں سے عسر میں ڈالے گئے آدمی پر، یسر کی سحر نمودار ہوئی۔ یہ ایک خون آلود سحر تھی۔

جب دوسرے مہلت دینے پر آمادہ تھے، جب دوسرے مفاہمت کے آرزو مند تھے، جب طعنہ زنی کرنے والے تھک گئے تھے، وہ اسی جلال و جمال کے ساتھ نمودار ہوا اور عہد قدیم کے کسی شہسوار کی طرح اس نے اپنے گرد و پیش کو چمک سے بھر دیا۔ عرب شاعر نے کہا تھا "تم نے مجھے ضائع کیا، اور کس جوان کو ضائع کیا، جو رزم گاہوں میں تمہارا فخر اور نشان تھا۔"

لیکن قاضی حسین احمد جیسے مرد میدان کا تیور اور ایمان ضائع کیسے ہوسکتا تھا۔ جس کے جلو میں لاکھوں بھیگتی آنکھوں کی دعائیں تھیں۔ آخر کار ایمان کی چنگاری سے شعلہ بھڑکا اور آسمان گیر ہوگیا۔ کیا عجب ہے کہ آخر کار زور و ظلم کا یہ میدان ان شعلوں میں خس و خاشاک کی طرح جل بجھے۔

پیغمبروںؑ کے زمانے تاریخ میں تحلیل ہو چکے۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ سے تربیت پانے والے اہل دانش اور اہل ایمان کا عہد، زمانہ گزرا بیت چکا اور اب کبھی لوٹ کر نہ آئے گا، اب ایسے لوگ کبھی نمودار نہ ہوں گے۔

یہ ٹوٹی چوڑیوں جیسے ادھورے رہنماؤں اور ذہنی بونوں کا عہد ہے، ایسے میں یہ شخص اللہ کا انعام ہے، جو تاریکی کی یلغار میں بھی تاریکی سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ نہیں، جو نصف شب کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سحر کی نوید دیتا ہے۔ ایک "ناقابل علاج" امید پرست کیونکہ ہر خیال پرست (IDEALIST) امید پرست ہوتا ہے۔

وہ سچ کی طرح سادہ آدمی، کیا وہ اس بیمار عہد میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی نہیں؟

## بڑا آدمی

زبیر منصوری

یہ شخص بمشکل چلتا ہوا اسپتال کے روم نمبر 454 تک پہنچا تھا۔ اس کا بھائی اسے سہارا دیئے ہوئے تھا۔ مریضوں کا لباس پہنے! سامنے اسکے سینے کے بیچوں بیچ طویل کٹاؤ کا نشان بتا رہا تھا کہ وہ تین چار دن قبل ہی بائی پاس آپریشن سے گزرا ہے۔ میرے پاس پہنچ کر اس نے نقاہت بھری آواز میں قاضی صاحب سے ملنے کی خواہش کچھ اس طرح کی کہ میں اسے انکار نہ کرسکا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے آگے بڑھ کر امیر محترم کا ہاتھ تھام لیا، اسے ہونٹوں سے لگایا اور بے اختیار رو پڑا۔ اب معاملہ یوں تھا کہ امیر جماعت اسے دلاسہ دے رہے تھے اور وہ بھیگی پلکوں اور بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"قاضی صاحب! آپ کی صحت بہت قیمتی ہے، آپ امت کا اثاثہ ہیں۔ قاضی صاحب! میری دعا ہے میری عمر بھی آپ کو لگ جائے، آپ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔"

آخر ہم سب ہی تو چاہتے ہیں کہ اجلے کردار کا وہ بے داغ بڑا آدمی وقت کے طاغوت سے یوں ہی پنجہ آزما رہے، اس طرح مختلف محاذوں پر ڈٹا رہے اور جدوجہد،

قربانی، ایثار اور مہر و وفا کے نئے عنوانات رقم کرتا رہے۔

آیئے سب مل کر اس کے دست و بازو بنیں، مگر کس کس طرح، کن کن زاویوں سے اور کیسے کیسے...... اس کا فیصلہ ہم سب خود کریں۔ خود بھی اور اپنی اپنی اجتماعیت کی سطحوں پر بھی، کیوں کہ گزرتا وقت اب بہر حال ضرورتوں اور ترجیحات کے نئے پیمانے مقرر کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔

(روزنامہ جسارت 20 جون 2003)

## تصویر بول رہی ہے!

مجیب الرحمان شامی

یہ ایک شخص کی تصویر ہے، ایک ایسے شخص کی جس کی عینک ٹوٹ چکی ہے۔ جس کی ٹوپی اچھل چکی ہے۔ جسے اپنی گاڑی پر سوار نہیں ہونے دیا جا رہا۔ لاٹھیاں جس کا ''استقبال'' کرنے کے لیے بے چین ہیں لیکن اس کے پاؤں سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ اپنی زمین پر وہ پورے صبر و سکون کے ساتھ کھڑا ہے...... ثابت قدمی اس سے حوصلہ پکڑ رہی ہے اور خوف اس سے خوف زدہ ہے۔

یہ ایک شخص کی تصویر ہے لیکن محض ایک شخص کی تصویر نہیں ہے۔ یہ پورے ایک عہد کی تصویر ہے اور اسے ہر عہد نے دیکھنا اور یاد رکھنا ہے۔ اس تصویر کے خالق اسے جنم دینے والے منہ چھپاتے پھریں گے لیکن صاحب تصویر تقدیر کا اعلان بن جائے گا۔ تقدیر کا لکھا سمجھا جائے گا جسے کوئی مٹا سکے گا، نہ چھپا سکے گا۔

جس شخص کو تصویر بنایا گیا ہے، جو اس منظر کا مرکزی کردار ہے، اس کا جرم محض یہ تھا کہ اس نے پاکستان کے لوگوں کو پاکستان کے دارالحکومت میں جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ پر احتجاج کیا تھا۔ بدعنوانیوں اور بد اخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کرنے پر اکسایا تھا۔ غریب عوام کے لیے عذاب بننے والے بجٹ کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ وہ بجٹ جو جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کے لیے چھوٹ ہی چھوٹ ہے اور محنت سے روٹی کمانے والوں کے لیے ٹیکس ہی ٹیکس ہے۔

اس شخص کی آواز سن کر لاتعداد افراد پورے ملک سے اسلام آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ نہتے افراد قومی اسمبلی کے سامنے چند گھنٹے دھرنا دینا چاہتے تھے، ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ اسلام آباد کو جانے والی شاہراہیں بند کر دی گئیں۔ بے تاب جذبے پھر بھی پیچھے نہ ہٹے تو لاٹھیوں اور گولیوں نے ان کو نشانہ بنا لیا۔ لاشیں تھیں اور خون تھا۔ زخمی تھے اور قیدی تھے۔ لیکن بڑھنے والے پھر بھی بڑھتے رہے۔ ان کی قیادت اس شخص کے ہاتھ میں تھی جسے ہم سب قاضی حسین احمد کے نام سے جانتے ہیں۔

یہ شخص اپنے کارکنوں، اپنے ساتھیوں، اپنے جانبازوں کے ساتھ رہا۔ نہ بھاگا نہ خوفزدہ ہوا...... اس نے قیادت کا حق ادا کیا اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ دی۔ اس منظر کو کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کر کے ہر دل میں اتار دیا ہے جو اس کے شریک سفر نہیں تھے، وہ بھی اس کا ذکر فخر

سے کرتے ہیں اور اس کا نام عزت سے لیتے ہیں کہ اس نے میدان میں نکلنے اور جم جانے کی روایت کو تازگی بخشی ہے۔ اسے نئے سرے سے زندہ کیا ہے۔ تصویر بول رہی ہے، للکار رہی ہے، آواز دے رہی ہے...... ع

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

(روزنامہ ''جنگ'' لاہور۔ 29 جون 1996ء)

ظالمو! قاضی زندہ باد

حسن نثار

کس نے تمھارے حصے کا لہو بہایا؟

کس نے تمھارے آنسوؤں اور پسینے کے عوض اپنا خون گرایا؟

کس نے تمھارے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے اپنی جان گنوائی اور اپنے رشتے منقطع کیے؟

یہ سب قاضی کے بیٹے تھے!

یہ جماعت اسلامی کے جی دار تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنھیں تم ''جماعتیے'' کہتے ہو۔

اٹھاؤ ان جماعتیوں کی لاشیں جو دراصل ہمارے تمھارے ضمیر کی لاشیں ہیں۔

پھر اڑاؤ مذاق قاضی کا اور بھانڈوں کی طرح مارو اس بڑھے کو جگتیں جو اللہ، رسول ﷺ کا نام لیتا ہے۔ ظلم، ظالم، مظلوم اور مظالم کی بات کرتا ہے اور جس نے کبھی کوئی انڈسٹری نہیں لگائی۔ کبھی کوئی قرضہ نہیں لیا۔ پنجاب کو پلاٹوں کی شکل میں تقسیم نہیں کیا اور خود کشمیر سے لے کر کابل تک اور کراچی سے لے کر بوسنیا تک باؤلوں کی طرح تقسیم ہوا پھرتا ہے۔

آوارہ لڑکوں کی طرح اٹھاؤ پتھر اور مارو قاضی کو جس نے معصیت اور جذباتیت زدہ لوگوں کی محرومیوں پر صرف دکانیں بند کرانے پر اکتفا نہیں کیا، انتہا پر اتر آیا اور اس آدم خور بجٹ کی بنیادیں ہلانے پر تلا ہوا ہے۔ جس کے ملتے ہی بہت کچھ ہل جائے گا۔

اسے انتہا پسند کہو۔

اسے بنیاد پرست کہو۔

اسے ملا کہو۔

اس کی تضحیک کرو

لیکن ٹھہرو...... اپنی تمام تر سفاکی سمیت ذرا رکو۔

قاضی اپنے کارکن بیٹے تو دفنا لے۔

عبدالصمد اور شفیق احمد کو کفن تو پہنا لے۔

اور پھر میں ان ''جاہل'' جماعتیوں کے لیے تھوڑا سا رولوں۔ صبر کرو...... ذرا دم لو...... کچھ وقت دو۔

میں قاضی حسین احمد کی آنسوؤں میں تر اپنے خون جیسی سفید داڑھی کو پرسا دے لوں۔ مجھے اتنی مہلت دو کہ میں لیاقت بلوچ کے آنسو پونچھ سکوں۔ حافظ ادریس سے تعزیت کر سکوں۔ منور حسن کو دلاسہ دے سکوں اور امیر العظیم کے گلے لگ کے رو سکوں۔

اس کے بعد میں بھی بے غیرتوں کی طرح کہوں گا۔

''جماعتیے جاہل ہوتے ہیں۔''

جماعتیے متشدد ہوتے ہیں۔''

جماعتیے تنگ نظر ہوتے ہیں۔''

جماعتیے رجعت پسند ہوتے ہیں۔''

پھر ہم اپنے ان ''جاہل، متشدد، تنگ نظر اور رجعت پسند'' شہیدوں کی قبروں پر زہریلے جملوں اور رکیک تبصروں کی بدبودار چادریں چڑھانے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں گے اور......

جس کے پاس اپنا گھر نہ ہو
گھر ہو تو اس میں روٹی نہ ہو
وہ کسی ''بلو'' کے گھر چلا جائے

کسی ''بلے'' کے گھر چلا جائے کہ ''بلو'' یا ''بلے'' کے پاس موجود بچے کھچے وافر چھیچھڑوں پر کچھ وقت تو پیٹ کی آگ بجھائی جا سکتی ہے۔

تم آگ بجھاؤ۔

اور میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیلا دوں کہ ظالمو! قاضی آ گیا ہے۔

اور قاضی اس طرح آیا ہے کہ اس کے سر سے دستار اتری ہوئی ہے، اس کی عینک گم ہے، اس کی کمر پر آنسو گیس کے شیل کا زخم اور بازوؤں پر لاٹھیوں کے نشان ہیں۔ جو قاضی کے سر سے دستار اتارے، اس کا سر اتارے جانے کے قابل ہے اور یہ وقت دور نہیں۔

اخباروں میں قاضی کی تصویریں غور سے دیکھو...... اس بنیاد پرست بوڑھے کو باوردی بھیڑیوں کے نرغے میں اور لاٹھیوں کی چھاؤں میں دیکھو اور تپتی ہوئی دھوپ میں نکل آؤ۔

اور دیکھو قاضی صاحب!

ہم جیسے دور افتادہ لوگوں نے پہلے بھی تمھارے لیے بہت سے طعنے سنے تھے، خون کے گھونٹ پیے تھے اور اب منظر تمھارے بچوں کے خون میں نہا کر نکلا ہے تو تمھیں جگتیں مارنے والے بھانڈ بھی ''قاضی آ گیا...... قاضی آ گیا'' کا کھسیانا سا شور مچا کر تمھارا ہانکا کرنا چاہتے ہیں۔ ان ضمیر اور زخم فروش افراد اور گروہوں سے بچنا قاضی صاحب!......

یہ تمھیں بیچیں گے...... یہ تمھیں بیچنا چاہیں گے۔ یہ مغرور سودا گر اب تم سے سودا کرنا چاہیں گے۔

بی بی ''مغرب'' کو مدد کے لیے پکارے گی۔ ''مجھے سنبھالو، بنیاد پرست میری بنیادیں ہلائے دیتے ہیں۔''

بابو کہے گا...... ''قاضی کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف تحریک چلائیں گے۔''

قاضی صاحب!

سیٹوں پر سودا نہ کرنا۔ اسی طرح سر ہتھیلی پر رکھ کے چلتے رہنا کہ ان سب کی مقبولیتیں مصنوعی ہیں۔ یہ سب کاغذی قلعے ہیں اور میں نے تمھاری انتخابی شکست پر بھی لکھا کہ قاضی کی شکست ویسی ہی ہے جیسے شہاب الدین غوری کی ترائن میں پہلی شکست۔

''آریہ محلّہ'' کو ترائن کا میدان بنا دو۔ قاضی صاحب! اور......

اگر ضمیر فروشوں اور زخم فروشوں کے ساتھ مل گئے تو یہ شکست ہوگی ورنہ قاضی کو غازی بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

جس نے آنا ہے قاضی کے ساتھ نہیں......اس کے پیچھے پیچھے آئے کہ کل تک قاضی کا مذاق اڑانے والے قاضی پر کروڑوں کا الزام لگانے والے آج کتنی ڈھٹائی سے اس کے شانہ بشانہ چلنے اور مل کر جدوجہد کرنے کی بات کررہے ہیں۔

منافقت کے سمندر میں کاغذ کی کشتیوں میں بیٹھ کر اقتدار تک پہنچنے کے جنون میں مبتلا یہ جنونی سوداگر اوران کے بروکر ماضی کو پتوار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ فیصلہ قاضی کے ہاتھ میں ہے کہ چپّا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

آ کے واپس چلے جانا ہے یا جہاں تک آ چکے، اس سے آگے جانا ہے؟

شکست خوردہ قاضی سرآنکھوں پر۔

زخم خوردہ قاضی بھی سرآنکھوں پر۔ لیکن اگر قاضی ظالموں کے ساتھ مل کر ظالموں کے خلاف ''جہاد'' پر نکلا تو ......یہ ظلم کی بدترین شکل ہوگی۔

قاضی صاحب! عبدالصمد اور شفیق احمد شہید کے خون کی لاج رکھنا اور دیکھو! بی بی اسے ''بنیاد پرستوں سے جنگ'' کہہ کر اہل مغرب کو بے وقوف نہ بنانے پائے۔

اور بابو اسے ''کیش'' نہ کرانے پائے۔

قاضی آئے تو اکیلا آئے ...... اپنے جیسوں کے ساتھ آئے۔

''آ جاتینوں اکھیاں اڈیک دیاں''!!!!

(روزنامہ ''خبریں''۔27 جون 1996ء)

## تاریخ کی پرانی کہانی کو
## نیا خون قاضی حسین احمد نے دیا

ڈاکٹر انور سدید

97-1996ء کے بجٹ نے اس جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس کے خلاف پہلا بیان امیر جماعت اسلامی نے دیا اور یہ پاکستان کے غریب عوام کی متفقہ آواز تھی۔ اس آواز مین کرپٹ حکمرانوں کے ظالمانہ بجٹ کے استرداد کا فیصلہ موجود تھا۔ طاقت کے نشے میں سرشار حکومت کو بروقت انتباہ کیا گیا کہ عوام کی خبر لو۔ جہان اقتدار کے ناخداؤ! آسمان سے اترو اور زمین پر آؤ، غریب عوام آواز دے رہے ہیں۔ لیکن اس آواز پر کان دھرنے کی بجائے دھمکیاں آنے لگیں۔ وزیراعظم کے غیر منتخب مالیاتی مشیر نے کہا کہ ''ہم بجٹ کو نافذ کرنے کے طریقے جانتے ہیں، بجٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی''۔ وزیر داخلہ نے عوام کے حقوق کی پاسدار جماعت اسلامی کو للکارا کہ دھرنے کا پروگرام ترک کردو ورنہ سختی سے نمٹا جائے گا۔ وزیراعظم کے بیانوں میں لاشوں کا ذکر آنے لگا تو ہر شخص کو احساس ہوگیا کہ احتجاج کی آواز کو صرف دھمکیوں سے ہی نہیں دبایا جا رہا بلکہ بہت کچھ کر گزرنے کے ارادے ہو رہے ہیں، منصوبے بن رہے ہیں۔

''نوائے وقت'' کی وہ تصویر بڑی ہیبت ناک ہے، جس پر لکھا ہے کہ ''قاضی حسین احمد پولیس کے نرغے میں'' ایک اور تصویر میں ''دھرنا'' کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اس تصویر میں قاضی صاحب زمین پر امن وسکون سے

بیٹھے ہیں۔ خاموش احتجاج میں ان کے ساتھ متعدد قومی راہنما ہیں۔ میں اس تصویر میں لیاقت بلوچ، امیر العظیم، اعجاز احمد چوہدری کو پہچان سکا۔ کہا جاتا ہے کہ انسپکٹر پولیس نے قاضی حسین احمد پر پستول تان لیا تھا۔ حکم دیا تھا ''باہر نکلو ورنہ گولی ماردوں گا۔'' قاضی صاحب نے مجاہدانہ جواب دیا:

''میں گولی سے نہیں ڈرتا۔ میں یہاں دھرنا دیے بیٹھا ہوں۔ ہمت ہے تو اٹھا کر لے جاؤ۔''

حکومت نے دانستہ مظاہرہ کو لہو میں رنگ دیا

حمید اللہ عابد

24 جون کو ہم اسلام آباد کی ہر شاہراہ سے گزرے اور یہ محسوس کیا کہ عوام کے تمام طبقات بظاہر خوفزدہ مگر اندر ہی اندر قاضی حسین احمد کی کامیابی کی خواہش رکھتے ہیں۔ لال مسجد کے سامنے دو افراد آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا ''نواز شریف کی ہڑتال سے حکومت پر کوئی اثر نہیں ہوا'' دوسرے نے کہا ''قاضی کا خوف بے نظیر پر مسلط ہے'' پہلے نے اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہو کر کہا کہ ''قاضی شیر دل آدمی ہے''

اس نوعیت کے تبصرے ہر گلی کوچے میں سننے کو ملے۔ سچی بات یہ ہے کہ 24 جون کو دونوں شہروں کے عوام، جو بجٹ کے عذاب سے تنگ تھے۔ قاضی حسین احمد اور اُن کے کارکنوں کو داد شجاعت دے رہے تھے۔ کسی نے کہا ''یہ لوگ کس مٹی کے بنے ہیں، ان پر گولیاں اثر کرتی ہیں نہ آنسو گیس اور یہ کس جرأت سے ڈٹے ہوئے ہیں؟''

پسینے سے شرابور جنرل بابر قومی اسمبلی کو بتا رہے تھے ''آج ہمارے لیے جماعت والوں نے بڑے مسائل پیدا کیے، ان لوگوں کو کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہے'' وزیر اعظم اپنے چیمبر میں پشیمان اور افسردہ تھیں، اور صدر لغاری فکر مند تھے، کیا حکمران، نواز شریف کے لانگ مارچ سے بھی اسی طرح خوفزدہ تھے؟ بھٹو کی بیٹی جانتی ہے کہ ان کے اصل حریف، ان کے مفادات کے لیے واحد خطرہ اور ان کے اقتدار کے لیے موت اگر ہے تو قاضی حسین احمد ہیں۔

مگر کیا تیرہ کروڑ پاکستانی بھی اس حقیقت کو جان چکے ہیں؟

جس دن یہ ''اعتراف'' ہو گا، اُسی روز خوشحال پاکستان کی بنیاد پڑے گی۔ بس ان لمحوں کا انتظار ہے۔

(فرائیڈے اسپیشل، ۲۸ جون ۱۹۹۶ء)

قاضی کی آندھی، عمران کا طوفان

حسن نثار

قاضی اور عمران کی باتیں کتنی ملتی جلتی ہیں اور میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر......

قاضی کی بزرگی، عمران کی جوانی، قاضی کا تدبر، عمران کا تحور، قاضی کی قبولیت، عمران کی مقبولیت، قاضی کا حوصلہ، عمران کا ارادہ، قاضی کا وظیفہ، عمران کا سجدہ، قاضی کی قوت ایمانی، عمران کی ''نو مسلمانی'' قاضی کی ملائمت، عمران کا کھرا پن، قاضی کی حیثیت، عمران کی شخصیت،

قاضی کا مدرسہ، عمران کا آکسفورڈ، قاضی کی تنظیم، عمران کا عزم صمیم، قاضی کی درویشی اور عمران کی سکندری آپس میں مل جائے تو کیا ہو؟ کیا کچھ نہ ہو جائے؟

دونوں کی دلیری و دیانت داری، دونوں کی اس نظام سے نفرت، دونوں کی ''ان دونوں'' سے بیزاری اور دونوں کی ''اسٹیٹس کو'' سے نفرت اگر یک جا ہو جائے تو کیا کچھ نہیں بدل سکتی۔ ایک وقت تھا جب لوگ مجھے طعنہ دیتے تھے کہ میں امید کی کوئی کرن تک نہیں دکھاتا۔ ہوتی تو ضرور دکھاتا۔ اب امید کی کرن ہی نہیں آس کا الاؤ نظر آ رہا ہے۔ سچی بات ہے کہ کل تک مجھے ''اسٹیٹس کو'' کی محافظ قوتوں کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہ دیتا تھا لیکن الحمدللہ...... آج ایک طرف امید کا سورج ہے تو دوسری طرف آس کا چاند چمکتا دکھائی دیتا ہے۔

(روزنامہ امت، کراچی۔ دسمبر ۱۹۹۶ء)

راشہ، راشہ، قاضی راشہ

خوشنود علی خان

قاضی دھرنے کے معاملے کو جہاں تک لے گئے ہیں، اب شاید باقی کی تمام اپوزیشن مل کر (قاضی کی مدد کے بغیر) بھی یہ کام کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ اس لیے کہ قاضی کے ساتھ جو لوگ دھرنے میں چلتے رہے، ان کے سینوں میں قرآن ہونے کے علاوہ ان کے سروں پر قرآن کا سایہ، ماتھے پر اللہ اکبر اور شہادت کی پٹیاں تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو دل سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حاصل کیے جانے والے اس ملک میں قرآن، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی حکمرانی ہونی چاہیے۔ لہٰذا وہ اسی نیت سے دھرنے کے لیے نکلے ہیں۔ انھیں کوئی لالچ دے کر نہیں لایا گیا جبکہ دوسری طرف مسلم لیگ نے لاہور میں جو ریلی منعقد کی یقیناً وہ کامیاب ریلی تھی، لیکن وہ ریلی صرف لاہور کی زندگی کو بھی معطل نہ کر سکی۔ قاضی نے پورے ملک کو سیل کر دیا ہے۔ لوگوں کی نظریں اب قاضی کی طرف ہیں اور لگتا ہے واقعی قاضی آ رہا ہے۔

فیلڈ مارشل قاضی حسین احمد

خوشنود علی خان

لوگوں کو ایک بات تو سمجھ میں آ گئی ہے کہ اگر کوئی بے نظیر حکومت کی طوالت کا باعث ہے تو وہ میاں نواز شریف ہیں، جو اگر اپنے ارکان اسمبلی کے استعفے پیش کر دیں تو یہ حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ قاضی حسین احمد کے دھرنے کے بعد لوگ یہ سوچنے پر بھی مجبور ہیں کہ وہ کون سی قوت ہے جس نے میاں محمد نواز شریف کو قاضی کی کھل کر حمایت کرنے سے روکا اور وہ خود دھرنے میں نہیں آئے؟ لوگ جانتے ہیں کہ وہ اس لیے آگے نہیں آ رہے کہ اگر قاضی کی جدوجہد کے نتیجے میں بے نظیر حکومت چلی گئی تو انھیں اقتدار میں لانے کے بجائے کسی دوسرے کو لایا جائے گا اور سپریم کورٹ سے رجوع کر کے اس درمیانی مدت کی حکومت کا عرصہ دو سال تک کر دیا جائے گا۔

(خبریں لاہور۔۳۰-۱۳۱کتوبر ۱۹۹۶ء)

## قاضی کی کال پر قوم کی لبیک

عبدالقادر حسن

جماعت اسلامی جس کی تنظیم کا اگرچہ بڑا شہرہ رہا ہے اور اب تک ہے، کبھی عوامی جماعت نہیں بن سکی۔ اسمبلیوں کے اندر بہت ہی محدود تعداد میں پہنچ سکی اور تن تنہا کسی عوامی تحریک کا اعزاز حاصل نہیں کر سکی۔ یہ پہلا موقع ہے اور اچانک یہ موقع آیا ہے کہ جماعت ایک زبردست عوامی پارٹی کی صورت میں نمودار ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ قاضی صاحب اور جماعت کے اراکین خود اس کا پلٹ پر حیران ہوں گے۔ جماعت کے مخالف عناصر نے ہڑتال اور جماعت کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے کہا ہے کہ اس کی وجہ جماعت نہیں، گرانی کا وہ مسئلہ ہے جس سے ہر پاکستانی متاثر ہے لیکن ایسا تو ہوتا ہے کہ لوگ اپنے مسائل کی وجہ سے کسی تحریک کا حصہ بنتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مسائل کو زبان کون دیتا ہے۔ اور ان کی نمائندگی کون کرتا ہے۔ کون ان مسائل کو اپناتا ہے اور کون ان مسائل کے حل پر عوامی احساسات کو منظّم کرتا ہے۔ قاضی حسین احمد نے آگے بڑھ کر یہ بینا اٹھا لی ہے تو پیچھے رہ جانے والے کوتاہ دست شکایت کس بات کی کرتے ہیں۔

(جنگ، لاہور)

## قاضی حسین احمد......ایک آزمودہ جرنیل

عبدالقادر حسن

جماعت اسلامی کے عالم اسلام میں ٹھوس روابط موجود ہیں اور اسلامی دنیا میں کلمہ حق کی بلندی کی جو تحریکیں چل رہی ہیں، ان کے رشتے اور سلسلے پاکستان کی جماعت اسلامی کے ساتھ ملتے ہیں۔ چنانچہ لاہور میں دو روز کے لیے دنیا بھر سے مسلمان زعماء اور اسلامی تحریکوں کے نمائندے جمع ہوئے اور انھوں نے للکار للکار کر کشمیریوں کو بتایا کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، تم اپنے آپ کو اکیلا اور تنہا مت سمجھو۔ امت مسلمہ کی مثال ایک جسم کی ہے۔

قاضی حسین احمد ایک آزمودہ کار ''جرنیل'' ہیں۔ افغانستان کے مجاہدوں اور جہاد کے ساتھ ذاتی طور پر ان کے رابطے رہے ہیں اور نو دس برس تک انھوں نے یہ ''فوجی'' تربیت حاصل کی ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسی غیر سرکاری جنگیں کیسے لڑی جاتی ہیں۔ ان کے راستوں میں کیا رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور انھیں کیا کیا امداد ملتی ہے اور ان کو جاری رکھنے کے لیے کیسی ہمت اور صبر و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قاضی صاحب کو سب کچھ معلوم ہے اور کشمیر میں تو وادی کے اندر ان کی جماعت کی ایک ٹھوس تنظیم موجود ہے جو افغانستان میں نہیں تھی۔ افغانستان کے جہاد میں غیر سرکاری سطح پر جس قدر حصہ جماعت اسلامی نے ادا کیا، وہ افسوس کہ کسی دوسری پاکستانی جماعت کے حصہ میں نہ آیا حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا اور تمام جماعتوں کو اس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لینا چاہیے تھا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور)

قاضی صاحب، اسلام آباد میں

عبدالقادر حسن

جماعت اسلامی جس کی بنیاد قلم کے چند حروف اور سرمائے کے چند روپوں سے رکھی گئی تھی، صدق و وفا کا خزانہ لے کر وجود میں آئی تھی۔ مشکلات سے بھرے ہوئے طریل سفر کا ذکر چھوڑتے ہوئے عرض ہے کہ میں نے فیصل مسجد میں دیکھا کہ امیر جماعت کی اپیل پر لاکھوں اور کروڑوں روپے پیش کیے جا رہے ہیں۔ وہ دلہنیں جن کے نکاح اسی اجتماع میں امیر جماعت نے اپنی دعاؤں کے ساتھ پڑھائے، اپنے کانوں اور کلائیوں سے زیور اتار کر جماعت اسلامی کو دے رہی ہیں۔ اس تقریب میں جماعت کے بانی مولانا مودودی کا قلم نیلام ہوا۔ مولانا مرحوم و مغفور کی خدمت میں ایک بار میں نے ان کے دفتر میں بیٹھے ہوئے عرض کیا کہ مولانا اگر کوئی قلم فالتو ہو تو مجھے عنایت فرما دیں۔ مولانا جن کی لطیف حسن مزاح قدرت کا ایک نادر عطیہ تھی، فرمانے لگے میرے پاس کوئی چیز فالتو نہیں ہوتی۔ اور بلاشبہ اس کوہِ عظمت کے پاس کوئی چیز فالتو نہیں تھی۔ اگر فالتو اشیاء رکھنے کی گنجائش ہوتی تو آج فیصل مسجد میں ایمان والوں کی ایسی گونج نہ ہوتی۔ مولانا مرحوم و مغفور نے ایک بار کسی تقریر میں یہ فرمایا تھا کہ جماعت اسلامی کے ارکان لوہے کے چنے ہیں، جنھیں چبانے والوں کے دانت ٹوٹ جائیں گے۔ اس پر انھوں نے شوریٰ سے مشورہ کیا اور فیصلہ ہوا کہ یہ جملہ کہہ دیا جائے جو موچی دروازے میں کہا گیا۔ آج برسوں بعد فیصل مسجد لوہے کے ان چنوں کی جھنکار سے گونج رہی تھی اور ابابیلوں کی کنکریوں کی طرح باطل کے سروں پر گر رہی تھی۔

جماعت اقتدار میں آنا چاہتی ہے۔ وہ تمام قومی عناصر جو کسی جماعت کو اقتدار میں لا سکتے ہیں جماعت کے مخالف ہیں۔ پورا مغرب جماعت کو ناپسند کرتا ہے۔ جماعت اسلامی صرف اور صرف عوام کی مدد سے تمام مخالفتوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ پاکستان کے عوام نے سب کو آزما کر دیکھ لیا ہے، اب باری جماعت اسلامی کی ہے، جو ایک روشن خیال اسلامی جماعت ہے۔ قاضی صاحب اب صرف ایک موثر پریشر گروپ کے قائد نہیں ہیں، وہ ایک ملک گیر جماعت کے قائد ہیں، جس کے ساتھی اور کارکن ہر آبادی میں مصروف عمل ہیں۔ ہر طرف سے مایوس عوام کے دل قاضی صاحب کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں قاضی صاحب ان دلوں کو قابو کرنے کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کرتے ہیں مگر ایک مکمل جمہوری مزاج رکھنے والی جماعت کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور، ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

ناکام لوگ

ہارون الرشید

باقی سب چیزیں آشکار ہیں، سوال صرف ایک ہے۔ کیا تین روزہ اجتماع کے بعد قاضی حسین احمد تین

لاکھ کارکنوں کے لشکر کے ساتھ وزیراعظم ہاؤس یا پارلیمان پہ یلغار کریں گے؟ سنگ مرمر کی سلوں سے بنی، نور کے سانچے میں ڈھلی فیصل مسجد کی وسعت کا نظارہ کرنے سے پہلے میں نے لیاقت بلوچ سے سوال کیا کہ خیموں کے اس شہر کی تعمیر میں انھیں کس مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ تعجب سے انھوں نے میری طرف دیکھا اور پھر یہ کہا ''ہاں! زمین کچھ اور کشادہ ہونی چاہیے تھی، کاش میدان کچھ اور وسیع ہوتا۔''

میں نے حیرت سے سوچا ''کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ناکامی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔''

کامیاب لوگ کون ہیں؟ فیڈرل لاج کے ٹوٹے ہوئے شیشوں، بکھرے پکوانوں اور الٹی ہوئی دیگوں والے؟ وہ ہجوم جو کھانے پر اس طرح پل پڑتے ہیں جیسے غنیم دشمن کی بستیوں پر۔ جماعت اسلامی ناکام کیوں ہے؟ کیا یہ کہ اس میں وہ جاگیردار شامل نہیں جن کی توندیں ان سے ایک فٹ آگے چلتی ہیں یا یہ کہ اس جماعت کو ہیروئن کا کوئی سمگلر، کوئی نامور غنڈہ، بینکوں کے قرضے ہڑپ کرنے والا کوئی شعبدہ باز اور وہ بلند فکر دانشور میسر نہیں جو الو کو شہباز اور شہباز کو الو لکھ سکتے ہیں۔

اس ''ناکام'' جماعت اور کامیاب جماعتوں میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ کہ اس کے سر پر کسی شاہی خاندان کا سایہ نہیں یا یہ کہ اس کے کارکن اور رہنما باہم دست و گریباں نہیں ہوتے، اخبار نویسوں کے کانوں میں سرگوشیاں نہیں کرتے، پندرہ ہزار فٹ بلند برفانی چوٹیاں عبور کر کے گولیوں کے سامنے سینے تان دینے والے لوگ ......

ہزاروں چراغوں سے بقعہ نور بنی فیصل مسجد کی رفعت سے، میں نے ''ناکام'' انسانوں کے اس ہجوم پر نظر ڈالی، جن کے چہرے امید و ایقان سے منور تھے اور مجھے بہت سے کامیاب لوگ یاد آ گئے مثلاً وہ سابق خارجہ سیکرٹری جس کی دونوں بیٹیوں کو امریکیوں نے تعلیم دلائی اور جسے وہ ایک لاکھ ڈالر سالانہ وظیفہ دیتے ہیں۔ انگریزی میں فصاحت کے دریا بہانے والا آدمی جو اردو زبان میں اٹھائے گئے سوالوں کے سامنے چند منٹ بھی ٹھہر نہیں سکتا۔ رنگ برنگی چھابڑیوں پر دساور کے فلسفے بیچنے والے مفکرین کرام، سقراط، بقراط۔

میں نے سوچا، دانشوروں کی بہترین کوششوں کے باوجود ناکام لوگوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ آخر کس طرح بڑھ رہی ہے؟ تب اچانک عظیم چودھری، وہ بانکا اخبار نویس، میری طرف بڑھا اور اس نے کہا ''میں آپ کو راز کی کوئی بات نہیں بتا سکتا مگر یہ بتا سکتا ہوں کہ خواب کبھی نہیں مرتے۔''

''ہاں، خواب ایک عجیب چیز ہیں۔ وہ کچلے، روندے اور ذبح کیے جاتے ہیں، مرقدوں میں اتار دیے جاتے ہیں، ان پر پتھر برسائے جاتے ہیں اور ان کے گلے گھونٹ دیے جاتے ہیں لیکن وہ پھر بھی زندہ رہتے ہیں۔'' تو کیا نسیم حجازی کے ناولوں اور اقبال کے نغموں میں سے نمودار ہونے والا وہ آدمی قاضی حسین احمد وزیراعظم ہاؤس پر یلغار کرے گا؟

نہیں، شاید ابھی نہیں۔ ابھی شاید وہ انتظار کرے گا کہ تاریکی کچھ اور گہری ہو جائے، مشعلیں تھامنے والے بے حساب اور بے شمار ہو جائیں۔ کامیاب لوگ کچھ اور کامیابیاں سمیٹ چکیں، امید کچھ اور فروزاں ہو جائے اور مایوسی اپنی انتہا کو چھو لے۔ تب مجھے غزوۂ ہند کے بارے میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد آئے اور میں نے حیرت سے سوچا، کیا ان ''ناکام'' لوگوں کا کوئی گروہ اس میں شریک ہو گا؟ مجھے مظفر بیگ یاد آئے

''تاریکی نہیں پھیلتی، خواہ کتنے ہی سورج ڈوب جائیں، تاریکی تب پھیلتی ہے جب امید ٹوٹ جائے۔''

اور روشنی بھی تو اس وقت پھیلتی ہے۔ کیا نہیں پھیلتی؟

قومیں بھی تبھی زندہ ہوتی ہیں، جب ان کا وجود خطرے سے دوچار ہو جائے۔ کیا نہیں زندہ ہوتیں؟

تو کیا قدرت کے جادوگر ہاتھ نے ''ناکام'' انسانوں کے اس گروہ کو عہد آئندہ کی کسی سویر کے لیے باقی رکھا ہے۔ وہ جو ناکام ہیں مگر نامراد نہیں ہیں۔

## قاضی نے اسلام آباد فتح کر لیا

خوشنود علی خان

جہاں اجتماع ہو رہا تھا، وہاں تا حد نگاہ لوگ ہی لوگ تھے۔ لیکن منظّم لوگ، نظم کے اندر رہ کر سرگرمی کرنے والے لوگ، ہر چیز اور ہر کام پروگرام کے مطابق تھا۔ جس کی جہاں ڈیوٹی تھی وہ موجود تھا......کوئی چیز بے ترتیب نہ تھی۔

میرے ایک دوست نے جو میرے ساتھ یہ سارے انتظامات دیکھنے گیا اور جو بہت ہی متحرک آدمی ہے، سب باتوں کو سمجھتا ہے اور سارا منظر دیکھ کر کہا:

''خوشنود صاحب! میں نے اتنے بینر، اتنے پرچم، اتنے لوگ، اتنے کارکن، بلکہ اتنے منظّم کارکن، اتنا جوش، اتنا ولولہ، اتنی ترتیب، اتنا نظام اپنی زندگی میں (میرے دوست کی عمر ۵۰ سال ہے) کبھی نہیں دیکھا۔ قاضی نے اسلام آباد میں واقعی دارالسلام بسا دیا ہے۔ قاضی نے پوری دنیا سے مسلمانوں کے لیڈر، دانشور، صحافی، سوچنے سمجھنے والے نامور لوگ اکٹھے کر دیے ہیں......قاضی نے میلہ لگایا نہیں، لوٹ لیا ہے۔ قاضی نے ثابت کر دیا ہے کہ قاضی کی جماعت بہترین منتظم جماعت ہے۔ قاضی نے سب طبقوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ قاضی نے ملی یکجہتی کا پیغام دے دیا ہے۔ قاضی نے بتا دیا ہے کہ وہ سب طبقوں کو اکٹھا کر سکتے ہیں۔''

میں سمجھتا ہوں اسلام آباد میں دارالسلام بسانا صرف قاضی اور جماعت اسلامی ہی کا کام ہے......کوئی دوسری جماعت اس ملک میں یہ کام آج سے پہلے تو نہیں کر سکی۔

## قاضی حسین احمد کی قیادت

ارشاد احمد حقانی

قاضی صاحب نے ۱۹۹۳ء کے انتخابات سے کچھ مزید نتائج اخذ کیے اور انہی کے پیش نظر فروری ۱۹۹۷ء کے انتخابات میں حصہ نہ لیا لیکن اس سارے عرصے میں داخلی اور عالمی صورتحال کے حوالے سے قاضی صاحب کی

فکراوران کا شعوراورادراک بڑی تیزی سے نکھرتے چلے گئے اور وہ ایک انقلابی مسلمان رہنما کی حیثیت کے بہت قریب پہنچ گئے۔ میں آج پورے اعتماد سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت پاکستان میں معاشی، سماجی اور سیاسی حوالے سے کرپٹ، انحطاط پذیر اور نااہل سٹیٹس کو اور گلے سڑے نظام کے سب سے بڑے مخالف اور دشمن اور ناقد قاضی حسین احمد ہیں۔ میرے لبرل دوستوں کو میرے اس تبصرے یا فتوے پر تعجب ہوگا۔

جماعت اسلامی کا اجتماع

ارشاد احمد حقانی

جماعت کے اجتماع میں تین روز تک شریک رہ کر جو سب سے پہلا تاثر میرے ذہن میں قائم ہوا، وہ یہ تھا کہ اس پروپیگنڈے یا اس رائے میں کوئی وزن نہیں کہ قاضی صاحب کی پچھلے دس سال کی حکمت عملیوں کی وجہ سے جماعت کے مزاج، معیار اخلاق، مقاصد اور اہداف یا طریق کار میں کوئی انحطاط آیا ہے یا کوئی منفی تبدیلی ہوئی ہے۔ پاسبان اور شبابِ ملی کی سرگرمیوں کے حوالے سے خود جماعت کے اندر کے بعض اکابرین نے گزشتہ سالوں میں جو اعتراضات کیے ہیں، ان سے میں بھی کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا کہ شاید جماعت کے انداز کار میں قدرے کوئی جوہری تبدیلی آ گئی ہو اور ایسی عوامیت کا رنگ غالب آ گیا ہو جو جماعت کے روایتی مزاج، ثقاہت اور دینی اقدار کے منافی ہو۔ لیکن اس اجتماع نے یہ تاثر یکسر غلط ثابت کر دیا ہے۔ جماعت کے پہلے اور دوسرے درجے کے راہنماؤں اور عام کارکنوں کا مزاج آج بھی ویسا ہی ہے جیسا مثلاً میں نے ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۴ء کے اجتماعات میں دیکھا تھا۔

پورے اجتماع میں ثقاہت، وقار اور اخلاق سے گری ہوئی کوئی ہلکی سے ہلکی بات بھی دیکھنے میں نہیں آئی اور اس حوالے سے مجھے آج کی جماعت چالیس پینتالیس سال پہلے کی جماعت سے ہرگز فروتر محسوس نہیں ہوئی بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جماعت کے نوجوان کارکنوں میں جوش و خروش کا عنصر پہلے سے زیادہ محسوس ہوا جس کی ایک وجہ تو خود قاضی صاحب کی ذات اور انداز کار ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جماعت کے دوسری صف کے کارکنوں اور راہنماؤں میں جمعیت تربیت یافتہ ارکان اب کافی شامل ہیں، وہ نسبتاً جوان بھی ہیں، پرجوش بھی ہیں، اس لیے جوش و جذبے کا اظہار ان کے لیے ایک فطری بات ہے لیکن جوش و جذبے کے اس اظہار میں ہرگز کوئی غیر ثقہ رویہ اپنایا نہیں گیا۔ نعرے بڑے پرجوش لگے اور لاکھوں کا مجمع پوری طرح اس میں شریک (involved) محسوس ہوا۔ یہ نئی جہت اگر کچھ ہے تو مثبت ہے۔ یہ جذبے اور توانائی کی مظہر ہے۔ یہ قوت عمل کا ایک اظہار ہے اور اسے جماعت کا ایک سرمایہ سمجھا جانا چاہیے۔

یہ سوال اپنی جگہ پر پوری شدت سے قائم ہے کہ جماعت اسلامی ملک میں جس نوعیت کا انقلاب لانا چاہتی ہے اس میں اس کی کامیابی کے امکانات کس حد

تک ہیں اور وہ کیا تدابیر اختیار کر سکتی ہے جن سے وہ اپنے ہدف تک پہنچ سکے۔ ایک بات البتہ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ جب تک جماعت کی قیادت قاضی حسین احمد کے ہاتھ میں ہے جماعت کی سمت سفر میں ایسی کوئی کجی یا انحراف نہیں آئے گا جس کے پیش نظر یہ کہا جا سکے کہ جماعت اپنے اصل مقصد سے ہٹ گئی ہے۔ قاضی صاحب کا اللہ کے ساتھ، دین کے ساتھ، دورِ حاضر میں نفاذ اسلام کے مستقیم طریق کار کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ ان جیسے آدمی کی قیادت قائم رہتے ہوئے جماعت کے ارفع دینی مقاصد سے کچھ بھی منحرف ہونے کا کوئی امکان یا اندیشہ مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ پاکستان کی داخلی صورت حال، عالم اسلام کی صورت حال اور عالم اسلام اور مغرب کے تعلق کے حوالے سے ان کے نظریات انتہائی حقیقت پسندانہ، محکم، جرات مندانہ، مثالیت پسندی اور عملیت پسندی کا ایک حسین امتزاج اور ہر لحاظ سے قابل عمل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ''معاصر دنیا اور اسلام'' کے حوالے سے قاضی صاحب کا شعور، ان کا تجزیہ، ان کی تشخیص اور ان کا تجویز کردہ علاج از اول تا آخر اسلامی ہیں اور میں انھیں اپنے بعض ذہنی تحفظات کے باوجود احیائے اسلام کی تحریک کے لیے ایک بہت بڑا اثاثہ سمجھتا ہوں۔ وہ واقعی ایک مردِ مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بصیرت وفہم سے بہرہ وافر دیا ہے۔

قاضی حسین احمد کا تجزیہ اور حکمت عملی

ارشاد احمد حقانی

قاضی صاحب پاکستان کے موجودہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی ڈھانچے کو ظالمانہ، غیر منصفانہ اور استحصالی سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ رائے ہے کہ بد دیانت اور کرپٹ عناصر قومی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں اور ان سے نجات حاصل کیے بغیر پاکستان سے نہ تو غربت و افلاس کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، نہ عوام کو بنیادی سہولیتیں دی جا سکتی ہیں اور نہ ایک عادلانہ معاشرہ وجود میں لایا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے قاضی صاحب پچھلے دس سال کے دوران حکمران رہنے والی شخصیات میں کوئی قابل ذکر فرق محسوس یا تسلیم نہیں کرتے اور ان کے وجود کو پاکستان کا سنگین ترین بلکہ بنیادی مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سول اور فوجی بیوروکریسی بھی موجودہ استحصالی نظام کا حصہ ہے اور سرمایہ دار، جاگیردار، بڑے بڑے صنعتکار اور بعض علماء اور مشائخ بھی اس مرض کا حصہ ہیں جو پاکستان کو لاحق ہے۔

قاضی صاحب کا ورلڈ ویو یہ ہے کہ مغرب، عالم اسلام کو کمزور اور پسماندہ رکھنے کا ذمہ دار ہے اور اس نے اکثر مسلمان ملکوں میں اپنے گماشتے بٹھا رکھے ہیں جو اس کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ وہ اکثر مسلمان ممالک کی حکومتوں کو اسی کلاس کا حصہ سمجھتے ہیں جو کلاس پاکستان میں بھی حکمران ہے بلکہ بعض حوالوں سے وہ متعدد مسلمان ممالک کی حکمران قیادتوں کو اور بھی بدتر قرار دیتے ہیں۔

☆☆☆